سوشلسٹ معاشرہ میں

مزدور کی حالت

جناب ریاض الحسن نوری مشیر وفاقی شرعی عدالت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وآلہ واصحابہ اجمعین

امابعد:

آج جب ہم اپنی اس گول دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ سوشلزم کا نظریہ جس نے بیسویں صدی کے شروع میں زور پکڑا تھا آج ہر جگہ پسپا ہو رہا ہے۔

سوشلزم کے نظریہ کی تبلیغ میں مارکس و اینجلز کا سب سے زیادہ حصہ تھا جن کا اپنا گذارہ اینجلز کے باپ کے کارخانہ میں مزدوروں کے استحصال کی آمدنی سے ہوتا تھا۔ لیکن اس نظریہ کے نفاذ کا سہرا لینن کے سر رہا۔ جس نے زار روس سے اپنے بھائی کی پھانسی کا بدلہ لینے کے لیے دن اور رات ایک کر دیا اور آخر کار اس کی بالشویک پارٹی نے اقلیت میں ہونے کے باوجود سازش اور عیاری اور دھاندلی و فریب سے عبوری حکومت کا تختہ الٹ کر تاریخ میں بیمثال قتل عام کا آغاز کر دیا۔ اس سے تھوڑا ہی قبل انقلاب فرانس کے سلسلے میں بھی بڑے پیمانے پر فرانس میں خونریزی ہو چکی تھی لیکن وہ خونریزی مختصر عرصے جاری رہی تھی۔ لیکن روس کے انقلاب سے جو خونریزی شروع ہوئی وہ لگاتار جاری رہی اور ابھی تک جاری ہے اگرچہ ماند پڑ گئی ہے۔ ہٹلر کا انقلاب بھی سوشلسٹ انقلاب تھا اور اس کی پارٹی کا نام نیشنل سوشلسٹ پارٹی تھا جس کا مخفف نازی پارٹی مشہور ہو گیا۔ لیکن لینن اور ہٹلر میں ایک فرق تھا وہ یہ کہ لینن سازش اور فریب سے روس پر قابض ہوا تھا جبکہ ہٹلر جمہوریت کے ذریعے جرمنی کا سربراہ بنا جمہوری طریقوں سے ہی اس نے حکومت حاصل کی۔ مگر بعد میں رفتہ رفتہ وہ عوام میں مقبول ہوتا گیا اور ڈکٹیٹر کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس کے باوجود ہٹلر عوام میں مقبول رہا جبکہ لینن شروع ہی سے عوام میں نامقبول تھا۔

روس میں اکثریت کسانوں کی تھی اور کسانوں پر اس نے مزدوروں سے زیادہ ظلم ڈھائے۔
برٹرینڈ رسل تاریخ کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ سخت افسوس ہے کہ جرمنوں کو یہودی نظریات نے خراب کیا خاص کر کرائسٹ اور مارکس کے نظریات نے ..... جب جذبات کی ہانڈی کافی دیر تک پکتی ہے تو ایک نئی چیز اوپر آجاتی ہے اور نئے حکمران عام طور سے پہلے حکمرانوں سے بہتر نہیں ہوتے لوئس سولہ کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کا جانشین پہلے روبس پیری اور پھر نپولین بنتا ہے۔ زار نکولس کو قتل کر دیا جاتا ہے تو اس کے دور سے ظالمانہ دور لینن اور سٹالن کی حکمرانی کا مسلط ہو جاتا ہے [۱]

لینن زبردست انتقامی جذبہ کا مالک تھا۔ اس نے سب کچھ اپنے بھائی کے انتقام کی خاطر کیا۔ اس نے نہ صرف حکمرانوں کو ختم کیا بلکہ حکمرانوں کے مذہب اور ان کی رعایا کو بھی نہ معاف کیا۔ اس نے اپنے کتابچہ LENIN ON RELEGION میں واضح اعلان کیا ہے کہ ہمارا بنیادی مقصد انکار خدا کے نظریہ کو عام کرنا ہے [۲] خدا کے انکار ہی کی وجہ سے اس نے شروع میں یہی نظریہ عام کیا کہ شادی کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ مذہبی رسم ہے۔ انسان جہاں چاہے اور جب چاہے جنسی تسکین حاصل کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے دہشت گردی کی بنیاد بھی ڈالی۔ دہشت گردی جس میں عوام بھی بموں سے اڑائے جاتے ہوں لینن ہی کی ایجاد ہے۔ اس سے پہلے فوجیں ہی فوجوں سے لڑا کرتی تھیں اور فوجیوں ہی کو قتل کرتی تھیں۔ عوام کا قتل بھی تاریخ میں شاذونادر ہی نظر آتا تھا۔

---

[۱] BERTRAND RUSSELL : UNDERSTANDING HISTORY : 97, 98 NEW YORK 1957

[۲] لینن نے اس کتاب میں نعوذ باللہ خدا کے نظریے کو سب سے گندہ ترین اور غلیظ نظریہ قرار دیا ہے۔ مذہب دشمنی میں بعض اچھی باتیں بھی ظہور میں آئیں مثلاً عیسائیوں میں قحبہ گری جوا۔ سود عام ہو چکا تھا حتیٰ کہ قحبہ گری کی آمدنی سے گرجا تعمیر ہوئے۔ سوشلسٹوں نے قحبہ گری جوئے اور سود کو خلافِ قانون قرار دے دیا۔

لینن نے ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۰۵ء کو ایک ہدایت نامہ جاری کیا اس میں لکھا کہ نوجوانوں کے پاس جاؤ۔ ۳ یا ۱۰ یا ۳۰ کے جتھے بناؤ۔ یہ لوگ جیسے بھی ہو اپنے کو مسلح کریں۔ چاہے ریوالور یا چھرا یا مٹی کے تیل میں بھگویا ہوا کپڑا ہو جو آگ لگانے کے کام آسکے۔ پارٹی کی ممبرشپ کو ان کاموں کے لیے شرط مت بناؤ۔ انقلاب کے لیے ایسی شرط عائد کرنا کم فہمی ہے۔ بڑے پیمانہ پر پروپیگنڈا شروع کر دو۔ پانچ یا دس نوجوان سینکڑوں مزدوروں اور طالب علموں کے پاس جائیں۔ سٹڈی کل قائم کریں ہر گروپ کو مختصر طریقہ سے آسانی سے بم بنانے کے طریقے سکھائیں جتھوں کو فوراً فوجی تعلیم دینی شروع کر دو۔ کچھ لوگ کسی جاسوس کو ختم کرنے یا پولیس سٹیشن کو اڑانے کی ذمہ داری لیں۔ دوسرے لوگ بنک لوٹ کر بغاوت کے لیے روپیہ اکٹھا کریں ہر گروپ کو چاہیئے کہ وہ سیکھے چاہے کسی سپاہی کو پیٹ کر ہی سیکھے۔ اس طرح سے سینکڑوں کو ٹریننگ مل جائے گی اور یہ سیکڑے پھر ہزاروں کی راہ نمائی کر سکیں گے۔ آج جن ملکوں میں دہشت گردی ہو رہی ہے۔ یہ دہشت گرد سب ہی کمیونسٹ نہیں ہیں۔ مگر سبق سب کمیونسٹوں نے ہی سکھایا ہوا ہے لہ

گویا پہلے لینن نے غریبوں۔ مزدوروں طالب علموں سے دہشت گردی کرائی اور ان کو قربانی کا بکرا بنایا۔ خود محفوظ رہا اور غریبوں کو آگے لگائے رکھا۔ پھر حکومت ملنے کے بعد ان پر ظلم توڑے۔ ان کا قتل عام کیا۔ اب تک ہم یہی پڑھتے رہے کہ انقلاب روس کے دوران ملینوں لوگ قتل ہوئے۔ لیکن جدید تحقیقات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس انقلاب میں ۶ کروڑ انسان مارے گئے۔ ظاہر ہے کہ ۶ کروڑ میں امراء تو آٹے میں نمک کے برابر ہی ہو سکتے ہیں۔ باقی تو سب غریب مزدور اور کسان و عوام الناس تھے کیونکہ روس میں غریب ہی بھاری اکثریت میں تھے۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ خدا اور آخرت کو مانتے ہوئے کوئی بھی شخص ۶ کروڑ انسانوں کو قتل نہیں کر سکتا۔ ایسا صرف خدا اور آخرت کے انکار کے بعد ہی ممکن ہے۔

لہ ریڈرز ڈائجسٹ فروری ۱۹۷۱ صفحات ۱۳۲، ۱۳۳ مطبوعہ ہانگ کانگ۔

خُدا بھُول گئے

دورِ جدید کے مشہور روسی ادیب جس کو نوبل انعام بھی مل چکا ہے یعنی SOL ZHENITSYN کا ایک مختصر مضمون ریڈرز ڈائجسٹ نے نومبر ۱۹۸۶ء کے شمارے میں چھاپا ہے اس کی سرخی ملاحظہ ہو۔

"MEN HAVE FORGOTTEN GOD"

The secret of healing our century's ills lies in the individual's daily choice of good over evil—in the restoration of our lost religious faith

اس میں وہ لکھتا ہے کہ اگر آپ مجھ سے یہ سوال کریں کہ آخر اس انقلاب جس نے ۶ کروڑ انسانوں کو نگل لیا اُس کی بنیادی وجہ کیا تھی تو اس کا صحیح ترین اور مختصر جواب یہ ہے کہ "لوگ خدا کو بھول گئے ہیں۔

روسی ادیب دوستوسکی نے یہ وارننگ دی تھی کہ بڑے بڑے واقعات ہو سکتے ہیں اور ہم اپنے ان کے لیے تیار نہ پائیں گے۔ بالکل ایسا ہی ہوا یعنی بیسویں صدی انکار خدا اور خودکشی کے بھنور میں نگل لی گئی ہے۔ اس کھائی میں گرنے کا عمل مشرق و مغرب میں جاری ہے۔ اس عمل کی وجہ سیاسی۔ اقتصادی یا کلچرل نشوونما نہیں ہے۔

یہ دوستوسکی ہی تھا جس نے انقلاب فرانس کو دیکھ کر کہا تھا کہ انقلاب فرانس اور اس کی چرچ دشمنی لازمی طور سے انکار خدا سے شروع ہو سکتی ہے۔ آج سے پہلے دنیا نے کبھی ایسی منظم خدا دشمنی نہیں دیکھی تھی جیسی کہ مارکسزم میں ہے خدا سے نفرت اس نظام کو چلانے کی طاقت ہے اور اس کا محور انکار خدا ہے۔ ۱۹۸۱ء میں پوپ جان پال دوئم پر حملہ بھی اسی کا شاخسانہ ہے۔

دراصل سیکولرازم کی یہ موج قرونِ وسطیٰ کے آخری دور میں ہی شروع ہو گئی تھی - یہ

لہر جو اندر سے اُٹھ رہی ہے ۔ یہ مذہب پر باہر سے قاہرانہ اور جابرانہ حملہ سے کہیں زیادہ خطرناک ہے ۔ برائی اور اچھائی کے نظریات عرصے سے عام استعمال میں متروک ہو چکے ہیں۔ اب تو یہ بھی کہنے میں دقت محسوس ہوتی ہے کہ برائی پہلے فرد کے دل میں اثر پذیر ہوتی ہے پہلے اس سے کہ وہ کسی سیاسی نظام میں داخل ہو۔

منکر خدا استاد نوجوانوں میں اپنی ہی سوسائٹی کے خلاف نفرت پیدا کرتے ہیں ۔ سوشل نظریات جنہوں نے ہمیں سبز باغ دکھائے تھے ۔ اب انکا دیوالیہ پن ثابت ہو چکا ہے اور انہوں نے ہمیں بند راستے کے سامنے لاکر چھوڑ دیا ہے ۔

ان سب مصیبتوں کا ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ ہم خالق کائنات کے سامنے استغفار کریں۔ معافی طلب کریں[1]

حقیقت یہ ہے کہ جب خدا پر ایمان نہ رہے اور مرنے کے بعد حساب کتاب کا عقیدہ ختم ہو جائے تو پھر انسان ایسے لوگوں کے نزدیک محض مٹی اور پتھر بن کر رہ جاتے ہیں جن کو ختم کرنا اور پتھر کو اٹھا کر پھینک دینا برابر حیثیت رکھتے ہیں ۔

یہی وجہ ہے کہ انقلاب کے بعد پہلے یہ کہا گیا کہ زار کی بیوی اور اس کے بیٹے کو محفوظ جگہ بھیج دیا گیا ہے ۔لیکن پھر زارینہ کو بھی قتل کر دیا گیا بلکہ اس کی چاروں بہنوں کو بھی قتل کر دیا گیا دنیا کا کوئی قانون حتیٰ کہ انقلابی انصاف بھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ زار کے معالج ۔ اس کے باورچی اس کی نوکرانی اور اس کے بیرے کو بھی قتل کر دیا جائے جو کہ بہر حال ملازم اور مزدور تھے لیکن ان سب کو بھی قتل کر دیا گیا ۔ اس سے قبل لینن نے لکھا تھا کہ اگر انگلینڈ میں بادشاہ کو قتل کیا جا سکتا ہے تو ہمیں زار کے خاندان کے کم از کم سو اشخاص کو قتل کرنا چاہیے لیکن انہوں نے تو زار ملازموں کو بھی نہ چھوڑا[2]

---

[1] ریڈرز ڈائجسٹ نومبر ۱۹۸۶ء صفحات ۱۱۸ تا ۱۲۰ مطبوعہ ہانگ کانگ۔

[2] ڈیوڈ شب : لینن مطبوعہ پبلیکن ۱۹۶۶ء ۔

مزدوروں کی نقل مکانی

ڈیوڈ شپ جو کہ خود کمیونسٹ انقلابی تھا لکھتا ہے کہ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے درمیانی عرصہ میں قحط بیماریوں اور سردی سے ۹۰ لاکھ زندگیاں ضائع ہوئیں۔ سول وار کی اموات ان کے علاوہ ہیں۔ یورال اور ڈان کے علاقوں کی آبادی سابق کی نسبت ایک تہائی رہ گئی اور صنعتی پیداوار ۱۹۱۳ء کے مقابلہ میں چھٹا حصّہ رہ گئی۔ حکومت کے نوٹ چھاپنے کی وجہ سے سونے کا روبل کاغذ کے ۲۶ ہزار پانسو انتیس روبل کے برابر قرار پاگیا۔ تقریباً آدھے صنعتی مزدور شہر چھوڑ کر دیہات میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے[1]

مزدور عورت کا لینن پر قاتلانہ حملہ

حالات زیادہ بگڑ گئے تو مزنا کیا نہ کرتا۔ ایک مزدور عورت فانیا نے لینن پر ریوالور سے حملہ کیا۔ اس کو دو گولیاں لگیں۔ ایک گردن میں اور ایک ہنسلی کی ہڈی کے پاس۔ عورت پکڑی گئی اور اس نے اپنے بیان میں یوں لکھا۔

میں نے آج لینن پر گولی چلائی .... میں نے بہت عرصہ پہلے لینن کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ میں اسے انقلاب کا دشمن سمجھتی ہوں۔ قبل ازیں زار کے زمانے میں مجھے زار کے ایک افسر کو قتل کرنے کی کوشش کے جرم میں جلا وطن کر دیا گیا تھا۔ میں نے گیارہ سال جلا وطنی کی قید بامشقت میں گذارے۔ انقلاب کے بعد مجھے رہائی ملی .... میرے چار بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ یہ سب مزدوری کرتے ہیں۔ میں نے لینن پر گولی چلائی۔

قتل عام

غرضکہ لینن پر قاتلانہ حملہ ایک مزدور خاندان کی عورت نے کیا۔ اگرچہ اسکے زخم جلد صحیح ہو گئے لیکن اس عورت کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا اور اس کو دفن کرنے کی بجائے جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ جس روز لینن پر حملہ ہوا اسی روز پیٹروگراڈ کے پولیس چیف کو ایک طالب علم نے قتل کر دیا ان دونوں واقعات کے بعد پیٹروگراڈ میں ہر طرف خوف اور دہشت کا دور شروع ہو گیا۔ گرفتاریوں پر گرفتاریاں ہونے لگیں پولیس چیف کے قاتل کو بغیر

---

[1] صفحہ ۴۰۵ محولہ بالا

مقدمہ کے قتل کر دیا گیا اور تقریبًا ۵۰۰ قیدی جو محض بورژوا یعنی درمیانہ طبقہ سے تعلق کی وجہ سے قید تھے ان کو بھی قتل کر دیا گیا۔

ایک قرار داد پاس کی گئی کہ اگر ہمارا کوئی لیڈر مارا جائے گا تو ہم سینکڑوں کو نہیں بلکہ ہزاروں کو قتل کریں گے۔ پھر ۶۲۲۰ آدمیوں کو گرفتار کیا گیا اور ان میں سے ۸۰۰ کو گولی مار دی گئی۔

یاد رہے کہ روس میں اس دور میں سوشلسٹوں کے دو گروپ تھے۔ ایک بالشویک اور دوسرے مینسویک۔ ان میں آپس میں بھی مخالفت تھی۔ لینن بالشویک پارٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ مخالفوں کا پتہ چلانے کے لیے ان کا کیسے امتحان لیا جائے اس کے متعلق بحث ہوئی کہ پولیس کے ذریعے فیصلہ کیا جائے یا ٹربیونل کے ذریعے۔ ایک صاحب نے یہ رائے دی کہ انقلاب کے مخالفین پر مقدمہ چلانے کی ضرورت نہیں۔ صرف ان کا نام تعلیم۔ نسب۔ پیشہ جاننا کافی ہے۔ اس پر ایک مزدور نے غصے میں اُٹھ کر کہا کہ ان سوالات کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تو محض ان کے گھر میں جاؤں گا اور ان کے برتنوں کو دیکھوں گا۔ اگر برتنوں میں گوشت پایا گیا تو یہی بات عوام دشمنی کے ثبوت کے لیے کافی ہے اس کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے گولی مار دینی چاہیے۔ اس خوف اور دہشت کی حکومت اور قتل و غارت پر جب مشہور خاتون سوشلسٹ لیڈر ANGELICA BALABANOV نے اعتراض کیا تو لینن نے ہنس کر کہا کہ اب بالشویک مقاصد کے لیے آپ کی افادیت ختم ہو چکی ہے۔ پھر جب منشویک پارٹی کے ایک گروپ کو پھانسی چڑھانے پر اسی خاتون نے ناراضگی ظاہر کی تو لینن نے کہا کہ آپ اتنی بات نہیں سمجھ پاتیں کہ اگر ہم ان چند لیڈروں کو گولی نہ ماریں تو پھر ایسی پوزیشن ہو گی کہ ہمیں دس ہزار مزدوروں کو گولی مارنی پڑے گی[2]

اُس زمانے میں لینن نے چیکہ نامی پولیس کے محکمہ کے سامنے تقریر میں کہا کہ مجھے اس بات پر حیرانی ہے کہ لوگ بے گناہوں (INNOCENT) کو گولی مارنے کے خلاف ناراضگی کا اظہار

---

[1] محولہ بالا صفحات ۳۶۲ تا ۳۶۶۔

[2] محولہ بالا ص ۳۶۷۔

کر رہے ہیں ۔ آخر ہم اپنی غلطیوں ہی سے سبق سیکھتے ہیں ۔ اہم بات یہ ہے کہ چیکہ پولیس پرولتاری ڈکٹیٹر شپ میں وانت ڈال رہی ہے ۔

۱۹۱۸ء میں لینن نے پھر کہا کہ چیکا پر اعتراضات محض پیٹی بورژوا کی بیکار باتیں ہیں ۔ اہم بات یہ ہے کہ اسی کے ذریعے پرولتاری ڈکٹیٹر شپ قائم ہو رہی ہے اور اس وجہ سے چیکا کے کام بہت قیمتی ہیں ۔ دہشت اور طاقت کے علاوہ عوام کا استحصال کرنے والوں کا کوئی علاج نہیں ۔ یہی چیکا کی پرولتاریوں کی خدمت ہے لے

بالشویک رسالہ "سرخ تلوار" نامی نے ۱۸ راگست ۱۹۱۹ء کے شمارے میں لکھا :

ہمارا اخلاق نیا ہے ۔ ہماری انسانیت سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ ہم ظلم ختم کرنا چاہتے ہیں ۔ ہمارے لیے سب کچھ جائز ہے ہم غلام بنانے کے لیے تلوار نہیں اٹھاتے بلکہ ہم تو آزادی کے نام پر تلوار اٹھاتے ہیں ۔ ہم افراد کے خلاف تلوار نہیں اٹھاتے بلکہ ہم تو بورژوا کے طبقے کو ختم اور ہلاک کرنا چاہتے ہیں ٢ے

مزدوروں سے بالجبر مفت کام لینا

۱۹۱۸ء کی فصل ۱۹۱۶ء کی فصل کا دسواں حصّہ پیدا ہوئی ۔ اس وجہ سے حکومت نے تمام ملکی تجارت کو قومی ملکیت میں لے لیا تمام چھوٹی بڑی دوکانیں بند کر دی گئیں اور تمام سامان کی لسٹ تیار کر لی گئی تاکہ کسانوں سے ان اشیاء کے تبادلہ میں گندم وغیرہ حاصل کی جا سکے ۔ لینن نے ایک ڈرافٹ بنایا جس میں یہ پروگرام درج تھا کہ تمام صحیح و سالم اعضاء رکھنے والے مردوں اور عورتوں سے کس طرح بالجبر حکومت کام لے سکے ۔

ہر مزدور کے لیے یہ ضروری قرار دیا گیا کہ وہ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دینے کے بعد ہر روز تین گھنٹے فوجی و دیگر خدمات سرانجام دے ۔

ہر مزدور کے علاوہ ہر شریف آدمی کے لیے جو کھاتا پیتا ہو (یعنی جس کی آمدنی ۵۰۰ روبل ماہوار سے کم نہ ہو یا ۱۵۰۰ روبل سرمایہ اس کے پاس موجود ہو) اس پر یہ فرض عائد کر دیا گیا

لے محولہ بالا صفحہ ۳۶۷ ۔

٢ے محولہ بالا صفحہ ۳۶۸ ۔

کہ وہ ایک ورک بک حاصل کرے ۔ اس میں یہ درج کیا جائے گا کہ اس نے اپنے حصّہ کی فوجی یا انتظامی خدمت سر انجام دی ہے یا نہیں ۔ یہ اندراج ٹریڈ یونین ۔ سویٹ یا سرخ پاسداران کا سٹاف کرے گا ۔ خوشحال لوگ ۵۰ روبل میں ورک بک خرید سکتے ہیں لہ

جو لوگ مزدور بھی نہ ہوں اور خوشحال بھی نہ ہوں وہ ایسی ورک بک ۵ روبل میں حاصل کر سکتے ہیں ۔ اگر کوئی شخص اس ورک بک کو حاصل نہ کرے گا یا حاصل کر کے اس میں غلط اندراج کا مرتکب ہوگا تو ہر دو صورت میں اس کو مارشل لاء کے تحت سزا دی جائے گی .... اس کے ساتھ ہی یہ قانون بھی پاس کیا گیا جو شخص بھی کھانا چھپائے گا اسے گولی مار دی جائے گی ۔ تمام پرائیویٹ پرچون کی دوکانیں بند کر دی گئیں اور ان کا تمام سامان تجارت ضبط کر لیا گیا ٹہ

چھوٹی صنعت یا دوکان کھولنا سختی سے خلاف قانون قرار دے دیا گیا اور خلاف ورزی کی سزا انقلاب دشمن قرار دے کر موت مقرر کر دی گئی ۔

سرکار کے ضروری ورکروں اور منتظمین کے لیے فوجوں کو دیہات میں بھیجا گیا تاکہ وہ کسانوں سے دانے اور روٹیاں چھین کر لائیں ۔ اس کے خلاف کسانوں میں بغاوت پھیل گئی ۔ کسانوں کی اکثریت سابق فوجیوں پر مشتمل تھی جو جنگ سے حال ہی میں واپس آئے تھے اور ان میں سے بہت سے لوگوں کے پاس اسلحہ موجود تھا ۔ اس طرح سے دیہات میں روٹی کی جنگ پھیل گئی ۔ شہر کے لوگ دیہات سے دانے لینے کے لیے آتے مگر کسان ان کو دانے نہ دیتے کیونکہ شہری ان کو کاغذی کرنسی معاوضہ میں دیتے جس کی کوئی قیمت نہ رہ گئی تھی ۔ ان حالات نے ہزاروں لاکھوں کسانوں کو انقلاب کا باغی بننے پر مجبور کر دیا ۔

ان حالات میں کسان رد عمل ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے ۔ انہوں نے صرف اتنے دانے اگانے شروع کر دیے جو کہ صرف دیہات کے لیے کافی ہوں اور شہروں کے لیے دانے اگانے

لہ اس وقت روبل کی قیمت خرید کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک رجسٹر نما کتابچہ سرکار کی طرف سے ۵۰ روبل میں ان کو دیا جاتا تھا ۔

ٹہ محولہ بالا صفحات ۳۶۸ ، ۳۶۹ ۔

اس لیے بند کر دیے گئے کیونکہ ان کو قیمت کاغذی روبلوں میں ملتی تھی جن کی کوئی وقعت نہ تھی۔
اس انقلابی حکومت نے مزدوروں کسانوں۔ غریبوں ہی پر نہیں وہ تو کسی گنتی میں تھے۔ بلکہ ماتحت فوجیوں پر بھی ڈکٹیٹر شپ اور فرعونیت کے مظالم کی وہ مثال قائم کی جو چشم فلک نے آج تک نہ دیکھی تھی۔ اسی وجہ سے برٹرینڈ رسل کو کہنا پڑا کہ لینن اور سٹالن کی حکومت جبر اور ظلم و تشدد میں زار کی حکومت کو بہت پیچھے چھوڑ گئی۔
مثال کے طور پر ایک واقعہ سنیئے۔
ٹراٹسکی جو سرخ فوج کا کمانڈر انچیف تھا پیٹروگراڈ پہنچا اور فوجی افسران سے رپورٹ طلب کرنے لگا۔ اگر اسے کسی کی بات پسند نہ آتی تو حکم دیتا کہ اس قول کو فوراً ریکارڈ کر لیا جائے۔
اس دوران ٹراٹسکی نے خوفزدہ ملٹری رسل و رسائل و آمد و رفت کے چیف سے چیخ کر پوچھا کہ افواج کو فن لینڈ سے بالٹک سٹیشن پہنچانے میں کتنا وقت درکار ہوگا۔ مسئول نے جواب دیا کہ تقریباً چوبیس گھنٹے۔ یہ سنکر ٹراٹسکی گرج کر بولا کہ یہ کیسی شرارت انگیزی ہے۔ پھر اس نے حکم دیا کہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اگر سب موجود لوگ آڑے نہ آتے تو رسل و رسائل کے چیف کو گولی مار دی جاتی۔ پھر ٹراٹسکی کو سمجھایا گیا کہ اگر ٹرین کے بجائے افواج کو پیدل بھیجا جائے تو وہ جلد پہنچ جائیں گے۔ پہلے اس کے کہ زینوو ائیو ایک لفظ بھی بول سکتا ٹراٹسکی PAVLUNOU SKY کی طرف مخاطب ہوا اور پر زور آواز میں اس نے حکم دیا کہ تمام موجود لوگ سن سکیں۔ پیٹروگراڈ کے تمام ڈیفنس سٹاف کو گولی مار دو۔[2]
سوشلزم کے متعلق لکھتے وقت ہم اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ صرف ان مصنفین کے حوالے دیے جائیں جو خود سوشلسٹ رہ چکے ہوں اور انقلاب کی خاطر سزائیں بھگت چکے ہوں۔ جیلیں بھی کاٹ چکے ہوں۔ جلاوطن کیئے گئے ہوں۔ لینن کی سوانح جس کے ہم حوالے دے رہے ہیں اس کا مصنف ڈیوڈ شپ روسی نژاد ہے۔ اس نے زار کے خلاف ۱۹۰۵ء کی بغاوت

---

[1] محولہ بالا صفحہ ۳۷۰

[2] محولہ بالا صفحہ ۳۷۴

میں حصّہ لیا اور سزا کے طور پر اسے سائبیریا جلاوطن کر دیا گیا تھا۔ اس مصنف نے اپنی کتاب باقاعدہ مستند سوشلسٹ حوالوں سے مزین کی ہے جو ہر باب کے آخر میں نمبروار دیے گئے ہیں۔

ڈیوڈ شب لکھتا ہے کہ لینن چوروں اور غنڈوں کو موت کی سزا دینے کا قائل تھا۔ وہ کہتا کہ تاریخ میں کوئی ایسا انقلاب نہیں آیا جبکہ لوگوں نے چوروں کو موقع پر گولی مارنے کے اصول کو نہ اپنایا ہو۔ ڈکٹیٹر شپ فولادی طاقت ہوتی ہے اور پھرتی سے استعمال کرنے والوں اور شہدوں کو کچل دیتی ہے۔

لینن کا قاعدہ تھا کہ وہ میٹنگ کے دوران اکثر اپنے ساتھیوں سے نوٹس کے ذریعے پیغام رسانی کرتا تھا۔ ایک موقع پر اس نے DZERZHINSKY کو نوٹ لکھ کر پوچھا کہ ہماری جیلوں میں کتنے انقلاب مخالف لوگ قید ہیں جواب ملا کر ۱۵۰۰۔ لینن نے اس نوٹ کو پڑھ کر اس کے آگے کراس کا نشان لگا کر رقعہ واپس کر دیا رقعہ لے کر وہ صاحب باہر چلے گئے۔ کسی نے اس بات پر توجہ نہ دی اور میٹنگ جاری رہی۔ مگر اگلے روز لوگوں میں پرجوش کانا پھوسی ہونے لگی کیونکہ کراس کے نشان کو موت کا نشان قرار دے کر ان سب قیدیوں کو گولی مار دی گئی تھی[1]

سوشلسٹ حکومت چند سری حکومت ہوتی ہے

۱۹۲۰ء میں لینن نے پارٹی اور گورنمنٹ کے رشتے کو یوں بیان کیا:

"مجھے ڈر ہے کہ پارٹی بہت بڑی بن جائے گی کیونکہ حکومت میں لازمی طور سے کرسی کے طالب اور غنڈہ عناصر بھی کھچے چلے آتے ہیں جو صرف اس بات کے مستحق ہوتے ہیں کہ ان کو گولی مار دی جائے۔ پارٹی کی لیڈرشپ سینٹرل کمیٹی کے پاس ہوتی ہے جس کے ۱۹ ممبر ہوتے ہیں۔ آجکل ماسکو میں ایک مختصر گروہ کام کرتا ہے اور پولٹ بیورو کام کرتا ہے۔ ان سے ایک حقیقی چند سری (OLIGARCHY) حکومت نمودار ہوتی ہے ....."

گیارھویں پارٹی کانگرس کو رپورٹ دیتے ہوئے زینووائیو جو کامنٹرن کا چیئرمین تھا یوں کہا:

---

[1] محولہ بالا صفحہ ۳۵۰۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری پارٹی روس واحد قانونی طور پر جائز پارٹی ہے اور قانونی ہونے میں ہماری اجارہ داری ہے ۔ ہم نے مخالفین کی سیاسی آزادی ضبط کر لی ہے ۔ ہم ان لوگوں کو کوئی قانونی مقام نہیں دے سکتے جو ہمارے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتے ہوں ۔ ہم نے مینشویکوں اور سوشلسٹ انقلابیوں کی زبانوں کو تالا لگا دیا ہے ۔ ہم اس کے علاوہ دوسرا رویہ اختیار نہ کر سکتے تھے۔ کامریڈ لینن کہتے ہیں کہ پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کے تمام مخالفین کی کمر نہ توڑ دیں ۔ کوئی شخص اس وقت کا تعین نہیں کر سکتا جبکہ ہم اس پالیسی پر نظر ثانی کر سکیں لے

روسی حکومت کی سرکاری تحقیق اور مزدوروں کی حالتِ زار

۱۹۶۸ء میں روسی حکومت نے سرکاری طور پر روس کی اقتصادی تاریخ تحقیق کے بعد شائع کی جو پروگریس پبلشرز ماسکو کے سرکاری ادارہ نے چھاپی ۔ اس کا محقق مصنف A.PODKOLZIN لکھتا ہے :

۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۰ء کے عرصہ کے دوران گھوڑوں کی تعداد میں ۶۰ لاکھ کی کمی واقع ہوگئی ۔ یاد رہے کہ روس میں اس دور میں گھوڑوں سے خاص طور پر ہل چلانے اور کاشتکاری میں مدد کا کام لیا جاتا تھا ۔ ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۰ء کے عرصے میں زیر کاشت رقبہ بھی ۷۹.۴ ملین سے گھٹ کر ۶۳ ملین رہ گیا ۔ مزید یہ کہ اگر ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۳ء کے دور کی پیداوار کو ۱۰۰ قرار دیا جائے تو ۱۹۱۷ء میں پیداوار ۸۸ ہوگئی اور ۱۹۲۰ء میں گھٹ کر صرف ۵۴٪ رہ گئی ۔

جانوروں کی تعداد	۱۹۱۸ء	۱۹۲۰ء
گھوڑوں کی تعداد	۳۱,۵۰۵,۰۰۰	۲۵,۴۱۱,۰۰۰
گایوں کی تعداد	۴۹,۷۹۸,۰۰۰	۳۹,۱۰۰,۰۰۰
بھیڑوں کی تعداد	۸۰,۹۰۸,۰۰۰	۴۹,۷۹۸,۰۰۰
سوروں کی تعداد	۱۹,۵۸۷,۰۰۰	۱۴,۸۲۹,۰۰۰

۱۱ جنوری ۱۹۱۹ء میں فالتو غلہ لینے کا قانون بنایا گیا ۔ اس سسٹم کے تحت حکومت تمام فالتو دانے اور بعد میں تمام فالتو پیداوار کاشتکاروں سے اپنی مقرر کردہ قیمت پر خرید لیتی ۔ نوٹ زیادہ چھاپے جانے کی وجہ سے کاشتکاروں کو جو قیمت ملتی وہ نہ ہونے کے برابر ہوتی تھی ۔ ان حالات میں شہری مزدوروں اور کسانوں کے درمیان اقتصادی بھائی چارہ ممکن نہیں تھا ۔

سرخ فوج کے سپاہیوں اور جو مزدور ڈیفنس کی فیکٹریوں میں کام کرتے تھے ان کو سپیشل راشن ملتے تھے اور ان کو خوراک بہم پہنچنے میں سبقت حاصل تھی ۔

اسی طرح گولہ بارود کی بڑی فیکٹریوں کے مزدوروں کو بھی سپیشل لسٹ میں شامل کیا گیا تھا اور ان کو بھی خوراک زیادہ مقدار میں ملتی تھی ۔

راشن اگرچہ عام طور سے ہی کم مقدار میں مہیا کیا جاتا تھا لیکن بعض اوقات بہت ہی کم کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ ماسکو اور لینن گراڈ کے مزدوروں کو ۵۰ گرام روٹی روانہ کی قلیل مقدار ہی دی جاتی تھی[1]

روس کی سرکاری تاریخ میں درج مزدوروں کے لیے ۲۴ گھنٹوں میں صرف ۵۰ گرام روٹی کا ذکر کر کے مجھے ایک میٹنگ کا واقعہ یاد آ گیا جو ڈیوڈ شب نے ذکر کیا ہے :

لیبر اور ڈیفنس کی کونسل لائبریرین نے تجویز پیش کی کئی ٹن روٹیاں ان کسانوں کے لیے مختص کی جائیں جو شہروں اور ریلوے کو جلانے کی لکڑی مہیا کرنے والے تھے ۔ ایک کمیسار نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ اس طرح سے تو شہر کے مزدوروں کے راشن میں جو کہ پہلے ہی کم ہے مزید کمی کرنی پڑ جائے گی ۔ اس کے بعد SOUNARCOM کے وائس چیئرمین نے کھڑے ہو کر تقریر شروع کی اور کہنے لگا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے انقلابی جذبہ کی وجہ سے مزدوروں اور کسانوں کو اس کا عادی بنا دیا کہ وہ روٹی کے بغیر کام کرتے رہیں ۔ لیکن بدقسمتی سے ہم اپنے گھوڑوں کو اس بات کا عادی نہیں بنا سکے ۔ آپ یہ اعلان کر سکتے ہیں کہ گھوڑے انقلاب مخالف ہیں لیکن آپ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ گھوڑوں کو جو مہیا کرنے پڑیں گے ۔

---

[1] A. PODKOLZIN : A SHORT ECONOMIC HISTORY OF USSR: ۱۰۹، ۱۱۰ : مطبوعہ پروگریس پبلشرز ماسکو ۱۹۶۸ء

Felix بھی اس بات DZERZHINSKY کو خطاب کرتے ہوئے رائیکو کہنے لگا کہ سے متعلق کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کو چاہیے کہ وہ چند درجن گھوڑوں کو گولی مارنے کا تجربہ کر دیکھے۔
لینن نے اس بحث کو ختم کر دیا اور حکم دیا کہ کسانوں کو روٹی اور جو مہیا کیا جائے[1]

انقلاب سے قبل روس میں گہیوں کی بہتات تھی اور برآمد ہوتا تھا

سرکاری تاریخ کا مصنف ہمیں بتاتا ہے کہ انقلاب سے پہلے روس میں کھانے پینے کی اشیاء خام مال اور نیم تیار شدہ سامان کی اتنی بہتات تھی کہ روس کی برآمدات میں ان اشیاء کا حصہ ۹۰ فیصد ہوتا تھا جس میں سے صرف گہیوں کی برآمد ۴۰ فیصد ہوتی تھی[2]
انقلاب ۱۹۱۷ء میں آیا تھا۔ اس کے بعد سے سوشلسٹ پالیسیوں کی وجہ سے اور قتل عام اور مزدوروں و کسانوں پر ظلم کی وجہ سے روس کی اقتصادی حالت کا کیسے بیڑا غرق ہوا سرکاری اقتصادی تاریخ کے چارٹوں و بیانات سے ملاحظہ ہو:

صنعتوں کی حالت حسب ذیل تھی[3]

	۱۹۱۳	۱۹۱۷	۱۹۱۸	۱۹۱۹	۱۹۲۰
کل پیداوار جنگ سے قبل کے روبل کے حساب سے ملینوں میں	۵۶۲۱	۳۸۴۹	۱۸۴۵	۹۵۵	۸۱۸
مزدوروں کی تعداد ہزاروں میں	۲۲۰۳	۲۵۹۶	۲۰۱۱	۱۳۳۴	۱۲۲۳
فی مزدور پیداوار (قبل جنگ روبلوں میں	۲,۲۵۱	۱۴۸۲	۹۱۷	۷۱۵	۶۶۹

[1] ڈیوڈشب : لینن ، ۳۷۱
[2] U.SSR کی اقتصادی تاریخ صفحہ ۸۰
[3] محولہ بالا صفحہ ۹۶

بقول مصنف ۱۹۱۳ء کی نسبت مزدوروں کی تعداد ۴۵ فیصد کم ہوگئی اور فی مزدور سالانہ پیداوار ۵، فیصد کم ہوگئی [۱]

بنیادی پیداوار میں جو تباہ کن کمی ہوئی وہ سرکاری تاریخ کے مندرجہ ذیل چارٹ سے واضح ہے۔ ہم اس کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

	۱۹۱۳	۱۹۲۰	۱۹۲۰/۱۹۱۳ کا فیصد
کوئلہ (ملین پوڈز میں)	۱۷۳۸٫۴	۴۰۶٫۶	۲۳٫۴
تیل (〃)	۵۶۴٫۳	۲۳۳٫۹	۴۱٫۴
لوہا کچی دھات (〃)	۶۳۸٫۴	۱۰٫۲	۱٫۶
تانبا (〃)	۲٫۱	۰	۰
سیمنٹ (ملین ڈرموں میں)	۱۲٫۲	۰٫۴	۳٫۲
روئی کا دھاگہ (ملین پوڈز میں)	۱۶٫۰	۰٫۸	۵٫۰
چینی (ملین پوڈز میں)	۸۲٫۸	۵٫۵	۶٫۶
زرعی پیداوار کا تیل (〃)	۲۹٫۵	۱٫۰	۳٫۴

کوئلہ اور تیل صنعت کی تباہی جبری محنت

سب سے زیادہ تباہی ایندھن کی صنعت میں ہوئی صنعتوں اور ٹرانسپورٹ دونوں کے لیے

---

[۱] محولہ بالا صفحہ ۹۷

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۴۵ فیصد مزدور کہاں غائب ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ قتل ہوگئے یا بھوک سے مر گئے۔ مزید سوال ہے کہ فی کس مزدور کی پیداواری صلاحیت ۵، فیصد کم کیسے ہوگئی۔ یہ بھی واضح ہے کہ جب مزدور بھوکا رہے گا تو کام بھی زیادہ نہیں کر سکتا۔

کوئلہ ناکافی تھا ۔۱۹۱۷ کی نسبت سے ۱۹۲۰ء میں کوئلہ کی پیداوار میں ۲ء ۷۷، فیصد کمی ہوگئی ۔ تیل کی پیداوار میں اگرچہ اتنی کمی نہیں ہوئی باکو وغیرہ سے سنٹر کے علاقوں میں تیل پہنچانا بہت مشکل ہوگیا اور ۱۹۱۹ میں شپ منٹ تقریباً صفر ہوگئی ۔ پس انجنوں میں بھی لکڑی جلائی جانے لگی ۔

ملینوں سول آبادی اور فوجیوں سے یہ بیگار لی گئی کہ وہ لکڑیاں کاٹ کاٹ کر ایندھن کا سٹاک مہیا کریں[1]

لوہے کی صنعت کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ روس کے جنوبی علاقہ جنگ سے پہلے ۵۰ بلاسٹ بھٹیاں کام کر رہی تھیں جبکہ ۱۹۲۰ء میں صرف ایک بھٹی کام کر رہی تھی اسی وجہ سے ۱۹۲۰ء میں صرف ۹۰ ریلوے انجن بنائے جا سکے جبکہ ۱۹۱۳ء میں ۶۰۹ انجن بنائے گئے تھے ۔

	۱۹۱۳	۱۹۲۰
جتنے ہل بنائے گئے ۰۰	۶۶۷ و ۰۰۰	۸۸ و ۸۰۰
جتنے تھریشر بنائے گئے	۱۱۰ و ۲۰۰	۱۷۰۰

جبری مشقت اور بیگار

۱۹۱۸ء میں خام مال کی کمی وجہ سے ۶۱ ملیں بند کر دی گئیں ۱۹۲۰ء میں چینی کی پیداوار ۱۹۱۲ء کے مقابلہ میں صرف ۷ فیصد رہ گئی ۔[2] مزدوروں کی کمی کی وجہ سے ۵ اکتوبر ۱۹۱۸ء میں جبری محنت کا قانون نافذ کرنا پڑا ۔[3]

۱۹۲۰ء میں مزید قانون نافذ کرنا پڑا جس کے بعد ملینوں (ایک ملین : دس لاکھ) شہریوں کو بیگار میں پکڑ کر جبری مشقت پر لگا دیا گیا ۔ ان سے مورچے و قلعے بنوانے ۔ ایندھن اکٹھا کرنے

۱؎ محولہ بالا صفحہ ۹۷

۲؎ محولہ بالا صفحہ ۹۸

۳؎ محولہ بالا صفحہ ۹۸

۴؎ محولہ بالا صفحہ ۹۹

اور فیکٹری کے مزدوروں کی مدد کرنے پر لگا دیا گیا ۔

پلیس ریٹ سسٹم

اس سے قبل ۱۹۱۹ء میں لینن نے پلیس ریٹ سسٹم نافذ کر دیا تھا یعنی روزانہ یا ماہوار تنخواہ کی بجائے مزدور شمار میں جتنی اشیاء تیار کرتا اس کے مطابق اس کو تنخواہ یا مزدوری ملتی[1]

بغیر مزدوری کے ٹائم محنت لینا

نیا سوشلسٹ طریقہ کار یہ نافذ کیا گیا کہ روزانہ ڈیوٹی کے بعد مزدور رضا کارانہ طور پر بغیر مزدوری کے اوور ٹائم کام کریں مزید پروڈکشن کے کام کو ایک شخص کے ماتحت کر دیا گیا[2] یعنی صنعتوں میں ڈکٹیٹر شپ قائم کر دی گئی ۔

برٹرینڈ رسل نے روس میں کیا دیکھا

برٹرینڈ رسل ایک سائنس دان ۔ ادیب ۔ درد مند دل رکھنے والا غریبوں اور مظلوموں کا ہمدرد انسان تھا ۔ غریبوں سے ہمدردی کی وجہ سے اس نے سوشلزم کے حق میں لکھا ہے اس کا مضمون A CASE FOR SOCIALISM مشہور ہے ۔ وہ محنت کی کمائی سے کھانے ہی کو درست سمجھتا تھا ۔ اس وجہ سے لارڈ ہونے کے باوجود اس نے اپنی تمام وراثتی جائیداد خیراتی اداروں کو دے دی جو ہند و پاک کا کوئی بڑے سے بڑا سوشلسٹ لیڈر نہ کر سکا ۔ غریبوں کا ہمدرد ہونے کی وجہ سے وہ روسی حکومت کے مظالم کا شاکی ہوتے ہوئے بھی ویت نام کی لڑائی کے سلسلہ میں امریکنوں کا سخت مخالف تھا اور اس نے اس موضوع پر کتاب لکھی ہے اس میں امریکہ کے ویتنام میں مظالم کھول کھول کر بیان کئے ہیں اسی مخالفت کی وجہ سے لاہور کی امریکن لائبریری میں آپکو

---

[1] محولہ بالا صفحہ ۱۰۰

[2] محولہ بالا صفحہ ۱۰۰ ، ۱۰۱

برٹرینڈرسل کی ایک بھی کتاب نہیں ملے گی چاہے وہ امریکہ ہی کی چھپی ہوئی کیوں نہ ہو۔ رسل جنگ عظیم اول کی مخالفت کی وجہ سے لندن جیل میں بھی رہا۔

کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ انگریزوں کو اس جنگ میں حصہ نہ لینا چاہیے۔

رسل لیبر پارٹی کا ممبر تھا اور اسی پارٹی کی طرف سے برٹش پارلیمنٹ کا ممبر بھی رہا ہے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو دیگر تمام سیاست دانوں کے بھٹو صاحب نے بھی رنج وغم کا اظہار کیا۔ بھاشانی صاحب تو سب سے بڑھ گئے انہوں نے ان کی بخشش کی دعا بھی کر ڈالی۔ غرضکہ انکے بیانات سب کے نزدیک قابل اعتبار رہیں۔ ۱۹۲۰ء میں روسی حکومت نے انگلینڈ سے لیبر پارٹی کے کچھ لوگوں کو روس بلایا تھا۔ اس سرکاری دعوت پر رسل بھی روس گئے تھے۔ اپنی سوانح عمری میں وہ لکھتے ہیں:

"روس میں جو وقت میں نے گذارا وہ ایک بھیانک خواب تھا جس کی دہشت میں دن بدن اضافہ ہی ہوتا رہا۔ میں پہلے بھی ایسی باتیں شائع کر چکا ہوں جو میں نے محسوس کیں لیکن اس خوف۔ ہولناکی اور نفرت کا ابھی تک میں نے ذکر نہیں کیا جو روس کے قیام میں مجھے احاطہ کئے رہی۔ جس ہوا میں ہم سانس لیتے تھے وہ ظلم۔ سفاکی۔ غربت بدگمانی۔ اذیت انگیزی سے عبارت تھی۔ آدھی رات کو ہمیں گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جن سے پتہ چلتا تھا کہ مثالیت پسندوں (IDEALISTS) کو جیل میں گولیاں ماری جاری رہی ہیں۔"

بظاہر منافقانہ طور پر برابری کے دعوے کے مطابق ہر ایک کو TOVARIRISCH کہہ کر خطاب کیا جاتا تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ خطاب کرنے میں تلفظ بدل جاتا تھا۔ اگر لینن سے خطاب کیا جاتا تو تلفظ اور ہوتا اور کسی خادم سے خطاب کا تلفظ اور ہوتا تھا۔

جبری محنت

۲ر جون ۱۹۲۰ء کو وو لگا سے اپنے ایک خط میں برٹرینڈرسل لکھتے ہیں:

..... میں سوچتا تھا کہ یہ نظریاتی لوگ ان کو ایسے کام کرنے پر مجبور کر کے جو روسیوں کی جبلت کے خلاف ہیں ان کو مصیبت میں مبتلا کر دیں گے۔ لیکن میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ ان لوگوں کو صنعت اور جبری محنت کے ذریعے خوشی سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے .....

آخر کار میں یہ محسوس کرنے لگا کہ تمام سیاست حقارت سے ہنسنے والے شیطان کی تحریک ہے جو تیز طرار اور چالاک لوگوں کو سکھاتا ہے کہ فرمانبردار اور تابعدار آبادیوں کو کرسی یا دولت یا نظریہ کی خاطر کیسے اذیتیں پہنچائی جائیں۔ جیسے ہم سفر کر رہے تھے تو ہمیں وہ کھانا کھلایا جاتا تھا جو کہ کسانوں سے چھینا ہوا ہوتا تھا اور اس عمل کی حفاظت ان کسانوں کے بیٹے کرتے تھے لہ

بوڑھی عورتوں کو انقلابِ فرانس کے مرکز میں بیدردی سے قتل کیا جاتا ہے

پیرس میں معمر عورتوں کا قتل جاری ہے
۱۸ ماہ کے دوران ۳۰ عورتیں قتل ہوئیں

پیرس ۲۶ جون (انٹرنیشنل ڈیسک) پیرس میں معمر عورتوں کے قتل کا سلسلہ تشویش ناک صورت اختیار کر گیا ہے گذشتہ اٹھارہ ماہ کے دوران ۳۰ معمر عورتیں قتل کی جا چکی ہیں اور اس ماہ اس قسم کی چار وارداتیں ہوئیں قتل کی کسی بھی واردات کا سراغ نہیں لگایا جا سکا معمر عورتوں پر اس وقت حملہ کیا جاتا ہے جب وہ بازار سے خریداری کر کے گھر واپس آتی ہیں قتل ہونے والی زیادہ تر خواتین کی تعداد ۸۰ برس سے زائد عمر کی ہے عورتوں کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں سخت زدوکوب کیا جاتا ہے اور پھر منہ پر تکیہ رکھ کر سانس بند کر دی جاتی ہے کم از کم تین وارداتوں میں ایک ہی شخص کی انگلیوں کے نشانات ملے ہیں۔

نوائے وقت ۲۷-۶-۸۶

[illegible]

پیرس یکم جولائی (انٹرنیشنل ڈیسک) پیرس میں معمر عورتوں کو قتل کرنے والے گروہ نے ۳۱ ویں عورت کو قتل کیا ہے اس کی عمر ۷۷ سال تھی اور وہ اب تک قتل ہونے والی معمر عورتوں میں سب سے کم عمر تھی۔ پولیس اب اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ زیادہ تر وارداتیں ایک ہی شخص کا کام ہے۔ پہلے قتل کی وارداتوں کا سلسلہ ایک علاقے تک محدود تھا۔ اب معمر عورتوں کا قتل پورے پیرس میں شروع ہو گیا ہے۔ ان عورتوں کے منہ پر تکیہ رکھ کر ان کا سانس بند کر دیا جاتا ہے اور کمرے میں سے صرف نقد رقم تلاش کی جاتی ہے ان وارداتوں میں ملنے والے انگلیوں کے نشان پولیس ریکارڈ میں موجود نہیں۔ زیادہ تر عورتیں پینشنر تھیں اب انہیں پولیس کے خصوصی محافظ فراہم کر دیئے گئے ہیں

نوائے وقت ۲-۷-۸۶

رشوت اور بلیک مارکیٹ

برٹرینڈ رسل لینن کے اولین دورِ حکومت کے متعلق لکھتا ہے کہ:

حکام رشوت یا شراب میں مدہوشی کی سزا افسروں کو دینے میں بے رحم ہیں لیکن انہوں نے نظام ہی ایسا بنایا ہے جس میں معمولی سی کرپشن کے پرستانہ نظریہ بھی ان پر واضح کرتا ہے کہ ایسے سسٹم میں کرپشن اور رشوت لازمی عام ہو گی...

پر جوش بالشویکوں کے علاوہ ہمیں پولیس۔ جاسوسوں اور خفیہ ایجنٹوں کو بھی دیکھنا ہوا۔ جو چیز کہ

لہ محولہ بالا : ۱۴۵

زاروں کی باقیات میں سے ہے۔ یہ لوگ اس بات سے فائدہ اٹھاتے ہیں کہ کوئی شخص بھی قانون کو توڑے بغیر گذر نہیں کرسکتا۔ یہ لوگ سُرخ فوج سے زیادہ عمدہ کھاتے پیتے ہیں اور انکو یہ اختیارات حاصل ہیں کہ وہ جس کو چاہے مخالفِ انقلاب یا سٹہ بازی کا الزام لگا کر قید کرلیں۔ یہ لوگ بغیر کسی مناسب مقدمے کے ہزاروں کو گولی مار چکے ہیں[۱]

ذہنی خودکشی

سوشلزم کی وسیع مطالعہ کے بعد برٹرینڈرسل اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ جو لوگ بالشوازم کو قبول کرلیتے ہیں وہ سائنسی شہادت سے غیر اثر پذیر (IMPERVIOUS) ہو جاتے ہیں اور ذہنی خودکشی کرلیتے ہیں[۲]

جبری محنت اور مزدور کی تنخواہ

برٹرینڈرسل لکھتا ہے کہ جبری صنعتی محنت سختی سے نافذ کی جاتی ہے۔ ہر مرد اور عورت کو کام کرنا پڑتا ہے اور سستی کی سخت سزا جیل یا مارپیٹ کے ذریعے دی جاتی ہے۔ ہڑتالیں خلاف قانون ہیں اگرچہ کبھی کبھی ہو جاتی ہیں۔ اسی طریقہ سے حکومت نے ایسا فولادی ڈسپلن قائم کیا ہے جس کا کوئی امریکی ڈکٹیٹر نما سرمایہ دار کے خواب میں بھی نہیں آسکتا۔ سوشلزم کے نام پر حکومت باہر کے ملکوں کے سوشلسٹوں کو اس بات سے روکتی کہ جو وہ بری بات روس میں دیکھیں اسے کہیں بیان نہ کریں۔ سب سے زیادہ تنخواہ ۱۵ شلنگ ماہوار ہے[۳]

ایک ماہ کی تنخواہ میں صرف ایک پونڈ (یعنی نصف کلو سے بھی کم) مکھن خریدا جاسکتا ہے[۴]

مزدور ۱۹۱۸ء میں ہفتوں بھوکے رہے

لینن کی سرکاری سوانح ہمیں بتاتی ہے کہ ۱۹۱۸ء میں بعض اوقات ماسکو اور پیٹروگراڈ کے مزدور ہفتوں بغیر روٹی کے رہتے تھے اور صوبہ میں جو کسان دلنے نہیں اگاتے

---

[۱] برٹرینڈرسل: 35 : The PRAICE AND THEORY OF BOLSEVISM

[۲] محولہ بالا صفحہ ۵۵

[۳] محولہ بالا صفحہ ۴۵

[۴] محولہ بالا صفحہ ۴۷

تھے وہ بھی بھوکوں مر رہے تھے[1]

۱۹۲۱ء میں ملینوں بھوکے تھے

اسی سوانح میں مزید ۱۹۲۱ء کے متعلق لکھا ہے کہ ۱۹۲۱ء میں بھی ملینوں بھوک کا شکار تھے[2]

نئی اقتصادی پالیسی N.E.P.

آخر کار جب ملک میں ہر طرف تباہی مچ گئی اور دیوالیہ نکل گیا تو لینن نے مارچ ۱۹۲۱ء میں نئی اقتصادی پالیسی نافذ کی جس کا نام نیو اکنامک پالیسی رکھا گیا۔ اس پالیسی میں زرعی زمین کو ٹھیکہ پر دینے کی اجازت دے دی گئی اور لوگوں کو چھوٹے موٹے کاروبار اور صنعت کی اجازت بھی دے دی گئی۔ کاشتکاروں سے ٹیکس غلہ کی صورت میں لیا جانے لگا حکومت کو مجبوراً پرائیویٹ سرمایہ کی مدد حاصل کرنی پڑی تاکہ صنعت دوبارہ جاری ہو سکے۔ حکومت کو اجازت دینی پڑی کہ اور حکومت کو اپنی پسپائی تسلیم کرنا پڑی یعنی سوشلزم کی بجائے سرمایہ داری کے طریقوں کو اپنانا پڑا[3] اس سلسلے میں سرکاری کتاب کے الفاظ بھی ملاحظہ فرمالیں جن میں جبری محنت کو رضاکارانہ محنت کا نام دے دیا گیا ہے۔ لیکن چارٹ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام کسی حد تک اپنانے سے بہتری پیدا ہوئی مگر پھر بھی پیداوار زار کے زمانہ سے کم ہی رہی:

The subbotniks and voskresniks, forms of mass voluntary participation of the people in socialist construction which were first organised in the early months of Soviet rule, became still more widespread in the rehabilitation period.

Year		In 1926/27 prices (million rubles)		Fixed assets	Average annual number of workers
	Total industrial output	Production of means of production	Production of consumer goods		
1913	10,251	4,177	6,074	6,820	2,592,000
1920	1,410	665	745	8,090	—
1921	2,004	876	1,128	7,930	1,298,000
1922	2,619	1,173	1,446	7,935	1,199,000
1923	4,005	1,925	2,080	7,969	1,480,000
1924	4,660	2,109	2,551	8,016	1,698,000
1925	7,739	3,356	4,383	8,105	2,119,000 [4]

[1] LENIN کی سوانح مطبوعہ پروگریس پبلشرز ماسکو ۱۹۶۶ء صفحہ ۳۷۶

[2] محولہ بالا صفحہ ۴۷/۴۸۔

[3] اے شارٹ اکنامک ہسٹری آف یو۔ ایس۔ ایس۔ آر: ۱۲۰ مطبوعہ پروگریس پبلشرز ماسکو ۱۹۶۸ء

[4] محولہ بالا صفحہ ۱۲۹

۱۹۸۷ء میں روسی حکومت نے بھی لینن کو تند خو اور سنگدل قرار دے دیا

نوائے وقت کی خبر ملاحظہ ہو:

لینن تند خو اور سنگدل تھا

ماسکو کی پیش کردہ نئی تصویر

ماسکو ۱۶ جنوری (اے پ) سوویٹ ٹیلی ویژن نے پہلی مرتبہ اس شخص کے بارے میں سخت باتیں کی ہیں جس کی کمیونسٹ دنیا میں پرستش کی جاتی ہے ٹیلی ویژن نے کہا کہ لینن تند خو، سنگدل بلکہ لاپرواہ شخص تھا۔ یہ نیا روپ اس ہفتے ٹیلی ویژن پر ایک سیریل میں دکھایا گیا۔ ٹیلی ویژن پر لینن کو اس حالت میں دکھایا گیا۔ کہ وہ مارچ ۱۹۱۸ء میں ماسکو میں ہونے والی روسی سوویٹ چوتھی خصوصی کانفرنس کے اجلاس میں نوٹس لے رہے ہیں اور ایک مقرر ان پر شدید تنقید کر رہا ہے۔ لیکن اس تنقید کا ان پر کوئی اثر نہیں ہو رہا۔

نوائے وقت ۸۷-۱-۱۷

سٹالن کا دور ملینوں کا قتل اور لوٹ مار

سٹالن کے دور میں جو مزدوروں اور عوام پر مظالم ہوئے وہ بہت مشہور ہو چکے ہیں اس لیے ہم ان کی تفصیلات ضروری نہیں سمجھتے۔ خود مشہور سوشلسٹوں نے سٹالن کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ خاص کر طارق علی کی کتاب اس سلسلے میں پڑھنے کے قابل ہیں۔ ماسکو میں مطبوعہ تاریخ: اے شارٹ ہسٹری آف دی یو۔ ایس۔ ایس۔ آر جلد دوم ۱۹۶۵ء کے ایڈیشن میں سٹالن کے دور کے اندھے مظالم کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ جن کو دلچسپی ہو۔ ان کے لیے یہ ایک تاریخی دستاویز ہے

مزدوروں کی اقسام اور ان کی حالت

برٹرینڈ رسل لکھتے ہیں :

روس میں حکومت ان لوگوں کے ہاتھ لگ گئی جو خود ہی پرولتاریوں کے چیمپین بن گئے سول وار کے نتیجے میں فوجی ڈکٹیٹر شپ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ آہستہ آہستہ کرسی کی طاقت نے اپنا اثر دکھایا۔ فوج اور پولیس کو کمانڈ کرنے والوں کو اقتصادی انصاف کا کوئی موقعہ نظر نہ آیا۔ فوجی بھوکے کسانوں سے زبردستی دانے چھیننے چلے گئے اور کسان ملینوں کی تعداد میں مارے گئے۔ مزدوروں سے ہڑتال کا حق چھین لیا گیا اور وہ اپنے نمائندے بھی چن نہ سکتے تھے جو ان کی وکالت کر سکیں۔ بس ان کو صرف اتنا دیا جاتا جس سے کہ وہ بمشکل زندہ رہ سکیں۔ روس میں فوجیوں اور سول ملازمین کی تنخواہوں میں یورپی ممالک سے کہیں زیادہ فرق ہے۔ جو لوگ اہم عہدوں کے مالک ہیں وہ عیش و عشرت میں رہتے ہیں جبکہ عام ملازم اتنی ہی تکلیف میں ہے جتنا کہ انگلینڈ میں ڈیڑھ سو سال قبل ہوتا تھا۔ لیکن یہ ملازم پھر بھی خوش قسمت ہے۔

اس نام نہاد آزاد مزدوروں کے نظام کے جلو میں ایک دوسرا نظام جبری محنت اور اجتماعی کمپنوں کا نظام بھی ہے۔ اس نظام کے تحت لوگوں کی حالت ناقابل بیان ہوتی ہے مشقت کے گھنٹے لمبے ہوتے ہیں اور خوراک صرف اتنی دی جاتی ہے کہ یہ لوگ تقریباً ایک سال زندہ رہ سکیں کپڑے اتنے قلیل دیے جاتے ہیں کہ انگلینڈ کی گرمی کے لیے بھی بمشکل کافی ہوں۔ مردوں عورتوں کو آدھی رات کو ان کے گھروں سے پکڑ لیا جاتا ہے۔ کوئی مقدمہ نہیں چلایا جاتا اور اکثر کوئی الزام بھی لگایا جاتا۔ یہ لوگ بس غائب ہو جاتے ہیں اور ان کے گھر والوں کی انکوائری کا بھی کوئی جواب نہیں دیا جاتا سفید سمندر کے کنارے یا شمال مشرقی سائبیریا میں ایک یا دو سال گذارنے کے بعد یہ لوگ سردی۔ کم خوراک یا کام کی زیادتی سے مر جاتے ہیں۔ لیکن حکومت کو اس سے کوئی فکر نہیں ہوتا کیونکہ اور بہت سے لوگ لائے جا سکتے ہیں۔

یہ خوفناک نظام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ کتنے لوگوں سے جبری محنت لی جاتی ہے یہ اندازہ کی بات ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں یو۔ ایس۔ ایس۔ آر کی ۱۶ فیصد آبادی سے جبری محنت لی جاتی ہے۔

اور تمام محققین (سوائے روسی حکومت اور ان کے دوستوں) کا خیال ہے کہ کم از کم ۸ فیصد آبادی اس نظام کا شکار ہو جاتی ہے۔ اس نظام اگرچہ عورتوں اور بچوں کی تعداد بھی کافی ہوتی ہے مگر مردوں سے کم ہوتی ہے لہ

(Underneath the system of so-called 'free' labour there is another: the system of forced labour and concentration camps. The life of the victims of this system is unspeakable. The hours are unbearably long, the food only just enough to keep the labourers alive for a year or so, the clothing in an arctic winter so scanty that it would barely suffice in an English summer. Men and women are seized in their homes in the middle of the

48 THE IMPACT OF SCIENCE ON SOCIETY

night; there is no trial, and often no charge is formulated; they disappear, and inquiries by their families remain unanswered; after a year or two in north-east Siberia or on the shores of the White Sea, they die of cold, overwork, and under-nourishment. But that causes no concern to the authorities; there are plenty more to come.

This terrible system is rapidly growing. The number of people condemned to forced labour is a matter of conjecture; some say that 16 per cent of the adult males in the USSR are involved, and all competent authorities (except the Soviet Government and its friends) are agreed that it is at least 8 per cent. The proportion of women and children, though large, is much less than that of adult males.)

انگلینڈ میں سوشلزم پر معمولی سے عمل سے ابتری پھیل گئی

ریڈرز ڈائجسٹ بابت فروری صفحات ۳۴ تا ۳۸ وہاں کی جدید کنزرویٹو حکومت کے حالات درج ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ سوشلسٹ پالیسیوں پر ہلکے سے عمل سے بھی کیا کچھ نقصانات نہیں ہوتے۔ مصنف ڈیوڈ ریڈ لکھتے ہیں کہ کنزرویٹو حکومت آئی تو ۱۹۷۹ء میں ملک میں ابتری

لہ برٹرینڈ رسل: امپیکٹ آف سائنس آن سوسائٹی: ۴۷ و ۴۸ مطبوعہ ان ون بکس لندن ۱۹۶۸ء

پھیل رہی تھی

پھر وہ لکھتے ہیں!

Nation of Homeowners. Britain's decline had been one of the most rapid in history. In the 1940s, the British Empire circled the globe, and the Royal Navy dominated the oceans. All that changed after World War II. A Labor government nationalized many basic industries and created a huge welfare apparatus to cushion everyone "from the cradle to the grave." Factories became grossly overmanned. Many churned out shoddy and overpriced items, which had difficulty competing abroad. With taxes as high as 98 percent, savings and investments dwindled. Government spending and huge wage increases fueled runaway inflation.

Just before Thatcher's first victory in 1979, union leaders plunged the country into a nightmarish wave of strikes that came to be known as the Winter of Discontent. Hospitals were crippled. Gravediggers joined walkouts. Garbage piled up. Train service screeched to a standstill.

When Thatcher took office, she had a clear vision of the Britain that she wanted to see: socialism destroyed; unions brought to heel; and a simple remedy for state-owned industries — sell them to the public.

In 1979, one-third of the population lived in public housing managed by local councils; scarcely half owned homes. Thatcher made it possible for more than one million families to buy their houses or flats. Today nearly two-thirds are homeowners.

Britain has a high rate of unemployment at nearly ten percent of the work force. And costs for welfare have continued to climb.

One socialist dragon that Thatcher may never slay is the National Health Service. This inefficient bureaucracy cost Britain almost $28 billion in 1986. Nearly a million people are on its payroll, making it — as Britons quip — the largest employer in Europe apart from the Soviet army.

Nevertheless, it is clear that Britain after Thatcher will never be the same. The Conservatives are now seen as the party of reform and prosperity, while Labor is looked on as the tired and tiresome champion of a failed past — a past that should serve as a lesson to countries around the world. For Britain's decline did not stem from any malaise among its citizens, whose creative energies and entrepreneurial enthusiasms were there all along. It stemmed from the fact that these very qualities were stifled by high taxes, inflation, socialism and the practice of knuckling under to rapacious labor barons. In the end, what Maggie Thatcher did was to set Britain free.

ترجمہ! انگلستان کا تیز اور عجیب ـــــ زوال

اپنے مکانوں کی مالک قوم:

تاریخ میں انگلستان کا زوال عجیب اور بہت ہی تیزی سے وقوع پذیر زوالوں میں سے ایک زوال ہے۔ ۱۹۴۰ء میں انگریزوں کی حکومت تمام دنیا کے گرد محیط تھی اور رائل نیوی تمام سمندروں میں اپنی برتری قائم کئے ہوئی تھی۔

جنگ عظیم دوم کے بعد سب کچھ بدل گیا لیبر حکومت نے تمام بنیادی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا اور فلاحی حکومت کا ایک وسیع نظام قائم کر دیا جس میں ہر ایک کی مدد پنگوڑے سے قبر تک کی جاتی تھی۔ فیکٹریوں میں ضرورت سے بہت زیادہ لوگ بھرتی کر لیے گئے۔ بہت سے صنعتی ادارے ناکارہ اور مہنگی اشیاء بنانے لگ گئے جن کے لیے غیر ملکی تجارت میں مقابلہ کرنے میں مشکل پیش آنے لگی۔ ٹیکس ۹۰ فیصد تک بڑھنے سے سیونگ اور سرمایہ کاری کم ہوگئی سرکاری اخراجات اور تنخواہوں میں بہت زیادہ اضافوں نے افراط میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا۔ ۱۹۷۹ء میں کنزرویٹیو حکومت آنے سے قبل یونین لیڈروں نے ملک میں خوفناک ہڑتالیں شروع کر دی تھیں جن کو سردیوں کی بے اطمینانی کا نام دیا گیا۔

ہسپتالوں کا حال ابتر ہوگیا۔ گورکنوں نے بھی ہڑتالوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ کوڑے کے ڈھیر لگ گئے۔ ریلیں کوک مار کر رک گئیں۔

CONSERVATIVE نئی حکومت کو اقتدار سنبھالنے سے پہلے ہی اندازہ تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ سوشلزم کو تباہ کرنا ہے۔ یونینوں کو لگام دینی ہے۔ حکومتی صنعتوں کا آسان علاج انہیں پبلک کو فروخت کرنا ہے۔

۱۹۷۹ء میں ایک تہائی آبادی پبلک مکانوں میں رہتی تھی جن کا انتظام لوکل کونسلیں کرتی تھیں۔ تشکیل سے نصف آبادی کے لیے مکانات تھے۔ نئی حکومت نے دس لاکھ خاندانوں کے لیے اس بات کو ممکن بنایا کہ وہ اپنے مکان یا فلیٹ خرید سکیں۔ آج تقریباً دو تہائی لوگ اپنے مکانوں کے مالک ہیں۔

انگلینڈ میں بے روزگاری بہت زیادہ تھی اور تقریباً ۱۰ فیصد مزدور بیکار رہیں اور فلاحی نظام کے اخراجات کی بڑھوتری جاری ہے۔ ایک سوشلسٹ ملا جس کو انگلستان کی قدامت پسند پارٹی کی

حکومت شاید کبھی قتل نہ کر سکے وہ نیشنل ہیلتھ سروس ہے اس نااہل افسر شاہی کا خرچ تقریباً ۲۸ بلین ڈالر ہے تقریباً دس لاکھ لوگ اس میں ملازم ہیں۔ سوویٹ فوج کے بعد یہ یورپ میں سب سے بڑا ملازم رکھنے والا ادارہ ہے۔

انگلینڈ کی قدامت پرست سیاسی پارٹی کو جس کی آج کل حکومت ہے لوگ اصلاح اور خوشحالی کی پارٹی خیال کرتے ہیں۔ جبکہ لیبر پارٹی کو تھکی ہوئی اور تھکا دینے والی گذشتہ ناکام دور کی چمپین سمجھتے ہیں۔ ایک ایسا ماضی جو تمام دنیا کے ممالک کو سبق سکھانے کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ انگلینڈ کا زوال وہاں کے شہریوں کی برائی یا بیماری کی وجہ سے نہیں پیدا ہوا جن کی پیداواری قوتیں اور جوش ہمیشہ ہی موجود رہا ہے لیکن اس زوال کا منبع یہ تھا کہ یہ تمام قوتیں بہت زیادہ ٹیکسوں۔ افراط زر۔ سوشلزم اور لیبر فورس کے لٹیرے تعلقہ داروں کی وجہ سے ماند پڑ گئی تھیں۔ آخر میں دقیانوسی سیاسی پارٹی نے یہ کیا کہ انگلینڈ کو آزاد کر دے۔

بے عزتی کی موت

راقم الحروف کی لائبریری میں مارکس اور لینن کی تصنیفات سے لے کر دیگر اکثر سوشلسٹ مصنفین اور مورخین کی کتب موجود ہیں۔ اگر ان سب کا احاطہ کیا جائے تو سوشلزم اور مغربی تہذیب کے اندھے پن کی تاریخ کئی مجلدات میں تیار ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک مشہور کمیونسٹ مصنف ہارڈ فاسٹ لکھتا ہے کہ ایک روسی سیاست دان نے مجھے بتایا کہ سٹالن اپنی عمر کے آخری سات سالوں میں کسی مزدور یا کسان سے نہیں ملا۔ بلکہ صرف اپنے جی حضوریوں سے ملاقات کرتا تھا۔ ایک روسی سیاست دان نے مجھے بیریا کی بدچلنیوں اور عورتوں سے زیادتیوں کے متعلق مجھے بتایا۔ لیڈروں کی یہ عادت ہمارے لیے اپنے ملک میں بھی نئی نہیں ہے۔ ایک کمیونسٹ صحافی نے خروشیو کے قصائی پنے کے ریکارڈ کی تفصیل بتا کر ہم لوگوں کو محو حیرت کر دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ کس پھرتی سے لوگوں کی گردنیں کاٹتا تھا۔ ہم کمیونسٹوں نے دنیا کو عزت سے مرنے کا سبق سکھایا تھا لیکن جب ہم لوگ ان قاتلوں کے ہاتھوں قتل ہوتے ہیں تو ہمیں عزت کی موت بھی نصیب نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیں اتنا مارا جاتا ہے اور اتنی اذیتیں پہنچائی جاتی ہیں کہ ہم ان کے پیروں پر گر پڑتے ہیں اور ان تمام ناقابل بیان جرائم کو تسلیم کر لیتے ہیں جو انہوں نے گھڑے ہوتے ہیں اور کاغذ پر اس لیے درج کئے ہوتے ہیں کہ ہم ان کو تسلیم کر کے دستخط کریں۔[1]

---

[1] ہاورڈ فاسٹ، دی نیکڈ گاڈ (THE NAKED GOD) ص ۴۸، ۴۹ مطبوعہ ۱۹۵۷ء نیویارک۔

جیلاس کے بیانات

یوگوسلاویہ کے سابق وائس پریذیڈنٹ نے جیل میں ایک کتاب لکھی جس کا نام NEW CLASS یا 'نیا طبقہ' ہے۔ اس کتاب میں وہ ثابت کرتا ہے کہ جو انقلاب اس لیے برپا کیا جاتا ہے کہ جائداد یا مال و دولت رکھنے والے طبقے کو ختم کیا جائے آخر کار عوام کی حکومت قائم کرنے کی بجائے ایک نیا طبقہ ایک ایسی سیاسی بیوروکریسی پیدا کر دیتا ہے جس کی جباری ایسی طرح سے عوام پر قائم ہو جاتی ہے جسکی مثال کہ تاریخ میں ہمیں کہیں نہیں ملتی۔ مثلاً وہ لکھتا ہے[1]:

In earlier revolutions, revolutionary force and violence became a hindrance to the economy as soon as the old order was overthrown. In Communist revolutions, force and violence are a condition for further development and even progress. In the words of earlier revolutionaries, force and violence were only a necessary evil and a means to an end. In the words of Communists, force and violence are elevated to the lofty position of a cult and an ultimate goal.

پہلے دور کے انقلابات میں جب سابقہ حکومت الٹ دی جاتی تھی تو اسکے بعد جبر و تشدد اقتصادی سلسلے میں انقلاب کے رکاوٹ بن جاتا تھا۔ اس کے برعکس کمیونسٹ انقلابات میں جبر و تشدد نشو و نما بلکہ ترقی کی بھی ایک شرط بن جاتا ہے۔ سابقہ انقلابیوں کے الفاظ میں جبر و تشدد صرف ایک ضروری برائی ہوتی تھی جو کہ ایک نتیجہ حاصل کرنے کے لیے وقتی طور پر کی جاتی تھی۔ لیکن کمیونسٹوں کے الفاظ میں جبر و تشدد کو ایک نظریہ اور بلند منزلِ مقصود کے طور پر[2] اپنا لیا جاتا ہے۔

---

[1] جیلاس: NEW CLASS: ۴۴ مطبوعہ ان ون بکس لندن ۱۹۶۶ء

[2] ہم دیکھتے ہیں کہ بابر نے ہندوستان فتح کیا۔ فوجوں میں لڑائیاں ہوئیں لیکن فوجی میدان میں مسلح افواج کے درمیان جو خون بہا وہ تو بہا میدان جنگ کے علاوہ کسی عام انسان کی نکسیر بھی نہیں پھوٹی۔ اسی طرح شیرشاہ نے ہمایوں سے ہندوستان چھینا پھر ہمایوں نے اس کے بیٹے سے واپس ملک چھین لیا۔ یہ سب انقلابات تھے لیکن سوائے ان فوجیوں کے جو خود مسلح ہو کر میدان جنگ میں لڑنے آتے تھے کوئی عامی شخص کہیں نہیں مارا گیا نہ کسی کو لوٹا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اگر کسی کی فوج کی نقل حرکت سے کسی کو نقصان پہنچتا تو معاوضہ دیا جاتا۔ شبلی الفاروق میں لکھتے ہیں کہ حملہ کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھربار

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

مزید جیلاس لکھتا ھے :

as the phenomenal progress of some sectors of the economy conceals the backwardness of others.

By the same token, this type of monopoly ownership and government is able to prevent economic collapse, but incapable of preventing chronic crises. The selfish interests of the new class and the ideological character of the economy make it impossible to maintain a healthy and harmonious system.

Planning emphasis in every Communist system is always directed towards branches of the economy that are considered to be of decisive importance in maintaining the political stability of the regime. These branches are ones that enhance the role, power, and privileges of the bureaucracy. They also are the ones that strengthen the regime in its relations to other countries and make it possible for

---

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ ملاحظہ ہو)

چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لیے اشتہار دے دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی آپ کی فوج وہاں سے گذری اسکو برباد کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت اس کو دس ہزار درہم معاوضے میں دلوائے (الفاروق : ۲ : ۱۵۴ مطبوعہ دھلی بحوالہ کتاب الخراج لابی یوسف ص ۵۸)۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں قحط پڑا تو آپ نے اعلان کر دیا کہ اس سال کی زکاۃ (بھیڑ بکری وغیرہ) اگلے سال دے دی جائے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا کو حدیث کے حکم کے مطابق معطل کر دیا۔ اپنے اوپر دودھ۔ گھی۔ گوشت کا استعمال حرام کر لیا۔ اس کے برعکس لینن نے قحط کے دور میں قانون نافذ کر دیا کہ اجتماعی کھیت سے اپنے اگائے ہوئے دانوں میں اگر کچھ دانے کسان لے لے گا تو اس کو موت کی سزا دی جائے گی۔ یہ قانون اس وقت بنایا گیا جب ملینوں کسان اس قحط کی وجہ سے مر رہے تھے جس کو ختم کرنے سے حکومت جان بوجھ کر پہلو تہی کر رہی تھی (برٹرینڈ رسل: دی بیسک رائٹنگز ص ۶۷۳)

the regime to industrialize to a greater degree. Up to now, they have been branches of heavy and war industries. This does not mean that the situation cannot change in individual countries. Recently atomic energy, especially in the USSR, has begun to take first place in the plan; I should say that this is happening because of military, foreign and political considerations rather than for any other.

Everything is subordinated to these aims. Consequently, many branches of the economy are lagging and working inefficiently; disproportions and difficulties are inevitable; and excessive production costs and chronic inflation are rampant. According to André Philipe (in the *New Leader*, October 1, 1956), investments in heavy industry in the USSR increased from the 53.3 per cent of total investments in 1954 to 60 per cent of total investments in 1955. Twenty-one per cent of the net national income is being invested in industry, with a concentration on heavy industry, although heavy industry only contributed 7.4 per cent to the increase in income per capita, 6.4 per cent of which was due to increased production.

It is understandable why, under such conditions, the standard of living is the last concern of the new owners, even though, as Marx himself maintains, men are the most important factor in production. According to Edward Crankshaw, who is close to the British Labour Party, a desperate battle for survival must be fought in the USSR by those who earn less than 600 roubles monthly. Harry Schwartz, the *New York Times* expert on the Soviet Union, has estimated that approximately eight million workers earn less than 300 roubles monthly, and the *Tribune*, representing the point of view of the British Labour Party's left wing, adds the comment that this, and not the equality of sexes, is the reason for the large number of women employed at heavy labour. The recent thirty-per-cent wage increase in the USSR has applied to these low-wage categories.

This is the way it is in the USSR. It is not much different in other Communist countries, not even in countries like Czechoslovakia which are technologically very advanced. Once an exporter of agricultural products, Yugoslavia now imports them. According to official statistics, the standard of living of blue- and white-collar workers is lower than before World War II, when Yugoslavia was an undeveloped capitalist country.

Communist planning draws its main inspiration not from the

needs of the economy as a whole, but from political and ideological motives, especially when faced with a choice between economic progress, i.e., the raising of the living standard, and political and class interest. For ideological reasons, Communists invest intensively in certain branches of the economy. This leads to severe dislocations in the economy, which cannot be paid for by income from nationalized farms taken over from capitalists and large landowners, but must be paid for mainly through the imposition of low wages and the pillaging of peasants through the compulsory crop-purchase system.

Ownership and political considerations for which the plan is only an implement have made it impossible to weaken the dictatorship to any extent or to raise the standard of living. The exclusive

monopoly of a single group, in the economy as well as in politics, planning that is directed toward increasing its power and its interests in the country and throughout the world, continuously postpones the improvement of the standard of living and harmonious development of the economy. The absence of freedom is undoubtedly the final and most important reason for the postponement. In Communist systems freedom has become the main economic and general problem.

In Communist systems, thefts and misappropriations are inevitable. It is not just poverty that motivates people to steal the 'national property'; but the fact that the property does not seem to belong to anyone. All valuables are somehow rendered valueless, thus creating a favourable atmosphere for theft and waste. In 1954, in Yugoslavia alone, over 20,000 cases of theft of 'socialist property' were discovered. The Communist leaders handle national property as their own, but at the same time they waste it as if it were somebody else's. Such is the nature of ownership and government of the system.

The greatest waste is not even visible. This is the waste of manpower. The slow, unproductive work of disinterested millions, together with the prevention of all work not considered 'socialist', is the calculable, invisible, and gigantic waste which no Communist regime has been able to avoid. Even though they are adherent of Smith's theory that labour creates value, a theory which Marx adopted, these power-wielders pay the least attention to labour and

ترجمہ :

یوں اقتصادیات کے بعض شعبوں میں کامیابی دوسرے شعبوں میں پستی کو چھپا لیتی ہے۔
ان حالات میں بلا شرکت غیر ملکیت اور حکومتی اقتدار اقتصادی طور پر مکمل بربادی کو تو روک لیتا ہے مگر دائمی بحران کو نہیں روک سکتا۔ نئے طبقہ کے خود غرضوں کے ذاتی مفادات اور اقتصادیات کا نظریاتی طریقہ کار ایک صحت مند اور مربوط نظام کے قیام کو ناممکن بنا دیتا ہے۔
ہر کمیونسٹ سسٹم میں منصوبہ بندی کا رخ اقتصادیات کے ان شعبوں کی طرف رہتا ہے جنکی اہمیت حکومت کی کرسیاں مضبوط رکھنے کے لیے لابدی ہوتی ہیں۔ یہ شعبے وہ ہوتے ہیں جو بیوروکریسی کا رول۔ اس کی طاقت اور مفادات کو مضبوط کرتے ہیں۔ یہ وہی شعبے ہوتے ہیں جو حکومت کو دوسرے ممالک سے تعلقات رکھنے کے سلسلے میں تقویت بخشتے ہیں اور مزید صنعت کاری میں مدد کرتے ہیں[1] اب تک یہ شعبے بھاری انڈسٹری اور جنگی انڈسٹری کے ہی رہے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی خاص ملک میں حالات تبدیل نہیں ہو سکتے۔ مثلاً روس میں حال میں ہی اٹامک انرجی پر زور دیا جاتا رہا ہے لیکن اس کی وجہ صرف فوجی خارجی اور سیاسی ہے نہ کہ کوئی اور دوسری وجوہات۔
ہر چیز ان مقاصد کے تحت کی جاتی ہے۔ اس وجہ سے اقتصادیات کے بہت سے شعبے پیچھے رہ گئے ہیں اور غیر تسلی بخش طریقے سے کام کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے مشکلات پیدا ہوتی ہیں اور تناسب قائم نہیں رہتا۔ مزید پیداواری لاگت بہت زیادہ آتی ہے اور ملک میں زیر گردش نوٹوں کی تعداد میں اضافہ کا رجحان دائمی ہو جاتا ہے۔ نیو لیڈر مورخہ یکم اکتوبر ۱۹۵۶ء کے مطابق روس میں بھاری صنعتوں میں ۱۹۵۴ء سے ۱۹۵۵ء تک ٹوٹل سرمایہ کاری سے ۵۳ ء ۳ فیصد سے بڑھ کر ۱۹۵۵ء کے مقابلہ میں ۶۰ فیصد ہو گئی۔ قومی آمدنی کا کل ۲۰ فیصد صنعت میں لگایا جا رہا ہے اور بھاری انڈسٹری میں زیادہ مرکوز ہے۔ حالانکہ بھاری صنعت نے فی کس آمدنی بڑھانے میں ۴ ء ۷ فیصد حصہ لیا جس میں سے ۴ ء ۶ فیصد دراصل پروڈکشن کے زیادہ ہونے کی وجہ سے تھا۔

---

[1] یاد رہے کہ ملکہ وکٹوریہ کے دور میں انگلینڈ کی حکومت بہت وسیع ہوئی تھی لیکن یہ سب غریبوں اور مزدوروں کا خون چوس چوس کر کیا گیا۔ پس حکومت کی طاقت اور چیز ہے اور مزدوروں کی خوشحالی دوسری چیز ہے۔

پس یہ بات سمجھ آجاتی ہے کہ ان حالات میں نئے مالکوں کی دلچسپی معیار زندگی بڑھانے کی طرف کیوں نہیں ہوتی حالانکہ خود مارکس نے کہا تھا کہ پروڈکشن میں انسانوں کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ ایڈورڈ کرنیک شا کے مطابق جو برٹش لیبر پارٹی کے بہت نزدیک ہیں روس میں ان لوگوں کو زندہ رہنے کے لیے سخت جدوجہد کرنی پڑے گی جن کی ماہوار آمدنی ۶۰۰ روبل سے کم ہے نیویارک ٹائمز کے سوویٹ امور کے ماہر کا کہنا ہے کہ سوویٹ یونین میں تقریباً ۸ لاکھ انسان ایسے ہیں جن کی آمدنی تو ۳۰۰ روبل ماہوار سے بھی کم ہے۔ پھر ٹریبیون جو لیبر پارٹی کے بائیں بازو کے نظریات بیان کرتا ہے لکھتا ہے کہ روس نے جو عورتوں کو بھاری محنت کشی کے کاموں میں جوت رکھا ہے اس کی وجہ تنخواہوں کی کمی ہے نہ کہ جنسی برابری۔ حال ہی میں جو ۳۰ فیصد تنخواہوں میں اضافہ ہوا ہے وہ ان ہی کم تنخواہ پانے والوں کی آمدنی سے متعلق ہے۔

یہ حال روس کا ہے۔ دیگر کمیونسٹ ممالک کا حال بھی ایسا ہی ہے جنہیں چیکوسلایکیا بھی شامل ہے جو تکنیکی طور پر بہت ترقی یافتہ ہے۔ یوگوسلاویہ جو کہ زرعی اشیاء برآمد کرنے والا ملک تھا اب ان اشیاء کو درآمد کرتا ہے[1]۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق نیلے اور سفید کالر والے ورکروں کا معیار زندگی یوگوسلاویہ میں جنگ عظیم کے قبل سے بھی کم تر ہے حالانکہ اس دور میں یوگوسلاویہ ایک غیر ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ نظام رکھنے والا ملک تھا۔

کمیونسٹ پلیننگ اقتصادی ضروریات کے تمام تقاضوں کے سامنے رکھ کر نہیں کی جاتی بلکہ سیاسی اور نظریاتی مقاصد کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ خاص کر جب مقابلہ لوگوں کو معیار زندگی بلند کرنے اور سیاسی وطبقاتی مقاصد کے درمیان ہو۔ نظریاتی وجوہات کی بنا پر کمیونسٹ اقتصادیات کے خاص شعبوں میں زیادہ سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ اس سے اقتصادیات میں سخت گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے جس کا مداوا زمینداروں کی زمینوں کو قومی ملکیت میں لے کر نہیں کیا جا سکتا بلکہ صرف اس طرح کیا جاتا ہے کہ تنخواہیں کم[2] رکھی جائیں اور کسانوں سے فصل کی جبری خریداری کا سسٹم نافذ کیا جائے

---

[1] ہم روس کے متعلق سرکاری اعداد و شمار سے واضح کر چکے ہیں کہ زار کے دور میں روس بھی گندم برآمد کرنے والا ملک تھا مگر آج تک یہ درآمد ہی کرتا جا رہا ہے۔

[2] جیلاس نے تو ۳۰۰ روبل یا ۶۰۰ روبل تنخواہ کا رونا رویا ہے جبکہ روس کی سرکاری کتاب میں لکھا ہے کہ ۶۰ روبل ماہوار تنخواہ پہ وہاں ٹیکس لگ جاتا ہے (حوالہ آگے آرہا ہے)۔

ملکیت (یعنی ذرائع آمدنی کی حکومتی ملکیت) اور سیاسی مصلحتیں جس کے لیے منصوبہ بندی محض ایک ذریعہ ہوتی ہے۔ ڈکٹیٹر شپ کو کمزور کرنے یا معیار زندگی کو بلند کرنے کے عمل کو ناممکن بنا دیتی ہیں۔ ایک گروپ کی بلاشرکت غیر اجارہ داری جو کہ اقتصادیات اور سیاسیات میں قائم کر دی جاتی ہے۔ اور ایسی منصوبہ بندی جس کا مقصد اپنے ملک میں اور تمام دنیا میں اپنی طاقت کو بڑھانا ہو معیار زندگی کو بڑھانے اور مربوط اقتصادی نشو ونما کے سلسلے میں دائمی طور پر رکاوٹ بنی رہتی ہے۔ اس رکاوٹ کی بڑی وجہ آزادی کا نہ ہونا ہے۔ کمیونسٹ نظام میں آزادی خاص پر اقتصادی اور جنرل مسئلہ بن کر رہ گئی۔

کمیونسٹ نظام میں چوریاں اور بے ایمانیاں لازمی ہیں۔ چوری کی وجہ صرف غربت ہی نہیں ہوتی بلکہ یہ حقیقت کہ جائداد یا اشیاء کا کوئی مالک نظر نہیں آتا۔ اس طرح تمام قیمتی اشیاء مفت بن جاتی ہیں اور اس طرح سے چوری اور ضیاع کی ایک فضا بن جاتی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں صرف یوگوسلاویہ میں سوشلسٹ ملکیت کی چوری کے بیس ہزار واقعات پکڑے گئے۔

کمیونسٹ لیڈر قومی ملکیت کو ذاتی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں لیکن ساتھ اس کو ضائع اس طرح کرتے ہیں کہ جیسے وہ پرایا مال ہو[1] اس سسٹم کی ملکیت اور حکومت کی خصلت ہی ایسی ہے۔

سب سے بڑا ضیاع تو نظر ہی نہیں آتا۔ یہ مین پاور یعنی لوگوں کی قوت کارکردگی کا ضیاع ہے۔ لکھوکھا (ملینوں) ورکروں کا سست رفتاری اور بے دلی سے کام کرنا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ تمام کام بند کر دینے جو کہ سوشلسٹ کام کے زمرے میں نہیں آتے۔ یہ وہ بھاری اور بڑے پیمانے کے نقصانات ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتے لیکن جن سے کوئی کمیونسٹ نظام نہیں بچ سکا۔ باوجود اس کے کہ وہ سمتھ کے اس نظریہ کے قائل ہیں کہ محنت ہی قیمت یا قدر پیدا کرتی ہے۔ یہ وہ نظریہ ہے جسے مارکس نے اپنایا۔ مگر یہ اقتدار والے لوگ لیبر اور مین پاور کی طرف کم ہی توجہ کرتے ہیں کیونکہ اسے ایک بہت ہی کم قیمت چیز سمجھتے ہیں جس کو آسانی سے تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

..... کئی فیکٹریاں اور صنعتیں اس لیے تباہ ہو جاتی ہیں کہ حکومت ان کو جاری رکھنے یا ترقی

---

[1] مال مفت دل بے رحم

دینے کی پوزیشن میں نہیں ہوتی [۱]

مغربی ممالک کی طرح روس میں بھی عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں تحریک شروع ہو گئی ہے۔ ہمارے سامنے ایک روسی دانشور خاتون TATYANA MAVO NOVA کی کتاب وومن اینڈ رشیا ہے۔ اس میں روسی خواتین کے مختلف مضامین جمع کیے گئے ہیں جو اس خاتون نے ایڈٹ کر کے روس میں چھاپے تھے۔ اب یہ کتاب وہاں سے سمگل ہو کر مغربی دنیا میں آگئی ہے اور اس کا انگریزی ترجمہ BASIL BLACKWELL آکسفورڈ نے ۱۹۸۴ء میں چھاپا ہے۔ اس خاتون نے ۱۹۸۰ء میں روس میں سب سے پہلا خواتین کا رسالہ شائع کرنا شروع کیا تھا۔ جلاوطنی کے بعد سے یہ خاتون اپنے خاوند اور بچوں کے ساتھ انقلاب فرانس کے مرکز پیرس میں رہ رہی ہے۔

یورپ میں ایک کروڑ عورتوں کا قتل

قرون وسطےٰ کے متعلق ہم نے تو اب تک یہی پڑھا تھا کہ یورپ میں لاکھوں عورتیں جادوگرنیاں قرار دیکر قتل کر دی گئی تھیں لیکن روسی مصنفہ کا بیان ہے کہ ان کی تعداد ایک کروڑ تھی۔ گویا عورتوں پر ظلم بلکہ ان کا قتل یورپ کا ہمیشہ ہی سے طرہ امتیاز رہا ہے۔

مصنفہ یہیں صفحہ XVIII پر انٹروڈکشن میں بتاتی ہیں کہ لینن گراڈ میں ۹۰ فیصد دربان خواتین ہیں [۲] پھر وہ لکھتی ہیں کہ عورتوں کی آزادی کا یہ غلط تصور ہے جس بنا پر خواتین کو سخت اور گندی محنت کا حق مل گیا ہے۔ عورتیں بچوں اور مردوں کی بھی خدمت کرتی ہیں۔ اگرچہ اس کے ساتھ ساتھ وہ گھر سے باہر فل ٹائم نوکری بھی کرتی ہیں۔ بعض مغربی ممالک کے لوگ کہتے ہیں کہ روس میں خواتین ڈاکٹروں کی تعداد کافی ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کو تنخواہ بہت معمولی دی جاتی ہے [۳]

---

۱ نیو کلاس مصنفہ جیلاس صفحہ ۱۱۴

۲ جبکہ دیگر مغربی ممالک میں تقریباً ۹۰ فیصد ٹائپسٹ خواتین ہوتی ہیں کم از کم وہاں دربان تو نہیں ہوتیں۔

۳ پاکستان میں خواتین و مرد ملازمین کی تنخواہیں برابر ہیں جبکہ امریکہ کے متعلق انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں واضح لکھا ہے کہ خواتین کی تنخواہیں مردوں کا نصف یا زیادہ سے زیادہ تین چوتھائی ہوتی ہیں۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ہے)

اس کتاب کے سرورق پر تین خواتین کی تصویر ہے جو سڑکوں سے برف صاف کرنے کا کام کرتی ہیں ۔ ان کے ہاتھوں میں ہمارے بیلچوں سے دوگنے سائز کے بیلچے ہیں اور ان بیلچوں کے ڈنڈے اتنے لمبے ہیں کہ ان کے قد سے بھی بڑے ہیں ۔ ان عورتوں نے برف میں کام کے لیے گھٹنوں تک کے بھاری بھرکم گم بوٹ پہن رکھے ہیں اور سروں پر ٹوپیاں اور مفلر لپیٹ رکھے ہیں ۔

اب صفحہ ۱۸۹ کے ایک حصّہ کا فوٹوسٹیٹ ملاحظہ ہو۔ جس سے دو باتوں کا پتہ چلتا ہے ۔ (۱)۔ ہیروئن ٹائپ کی منشیات کا استعمال وہاں عام ہوتا جا رہا ہے اور (۲) ۔ نرس اور صفائی کرنے والی خواتین کی تنخواہ : ۶۰ یا ۷۰ روبل کے درمیان ہے ۔

and one tablet of *noxirona*[7] would cost the drug addict fifty rubles. (One month's salary for a cleaning woman or a nurse is between sixty and seventy rubles.) One tablet of *noxirona,* for a catalyzing and filtering effect, is independently priced at five rubles. The old maxim that it is just one step from drugs to crime comes to mind, and this maxim was not lost on Seryoga. He was an expert pickpocket, thief, and armed robber.

روس کی سرکاری کتاب سے آپ پڑھ چکے ہیں کہ ۶۰ روبل پر بھی وہاں ٹیکس عائد ہے ۔
روس کی خواتین کہتی ہیں کہ ہم روس میں اتنی سخت مشکلات اور آفتوں میں گرفتار رہتی ہیں کہ بعض دفعہ دل یہی چاہتا ہے کہ لیٹ کر جان دے دیں ۔ اصل کتاب کا فوٹوسٹیٹ ملاحظہ ہو ۔ (ص ۲۲۳)

Truly, each of us is surrounded by such a plurality of problems, frequently unsolvable, that we sometimes just want to lie down and die.

ملازمت پیشہ خواتین سے انٹرویو کے عنوان کے تحت یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ ایک ملازم پیشہ خاتون کا کہنا ہے کہ ایک سٹائلش بوٹ کی قیمت ۱۰۰ یا ۱۵۰ روبل ہے یعنی ایک خاتون کلرک کی

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ ملاحظہ ہو) البتہ روس کے برعکس امریکہ عورتوں سے بہت زیادہ بھاری کام نہیں لیے جاتے ۔ البتہ نرسوں کو مریضوں کو اٹھانے بٹھانے میں محنت کرنی پڑتی ہے جس سے ان کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے ۔

ایک ماہ کی تنخواہ یا پیشہ ور خاتون کی نصف ماہ کی تنخواہ (صفحہ ۱۵)
پھر ایک خاتون شکایت کرتی ہے کہ زیادہ تنخواہ کے باوجود وہ کچھ نہیں خرید سکتی کیونکہ ہر چیز اتنی مہنگی ہے (ص ۱۶)۔
پھر فرماتی ہیں کہ

The most horrible and difficult thing for me is the nightmare of communal life.[3] It is a horror and a hell. In order to understand it, to imagine it and feel it, you have to live with it constantly. It's especially hard for an intelligent person to live among people who are not very developed and are entirely different—one likes loud music, another likes vodka. It is constant noise and chaos, racket and uproar.

There are five rooms and five families in our communal apartment. Each family has their own life style. There is, as usual, one neighbor who's an alcoholic. There is one family—a husband and wife and two small children—who live in a room twenty-two meters square. In order not to bother their neighbors or add to the frequent arguments, which are already bad enough, they do not let their children out of the room.

3. It is probably worth explaining here what a communal apartment is. In a large apartment of three to twenty rooms (on the average there are five or six rooms) several families live as neighbors, using a common corridor, kitchen, toilet, and bathroom (if there is one)—the same facilities for all neighbors. The situation has been ridiculed and criticized for some time—remember Mikhail Bulgakov's works—but for decades virtually nothing has changed.

Sometimes when I go by and look in through the open door, I see the father slowly and monotonously beating the children, punishing them repeatedly, and they don't even cry anymore; they just let out little yelps, from habit. This family has been on a waiting list for an apartment for ten years, and the prospects of their moving to a separate apartment in the next few years are not good. The most horrible thing here is the hopelessness.

I could give you a worse example, that of my friends who

have children. Their communal apartment consists of three families. One neighbor doesn't work. He drinks all day, is completely dissipated, has VD, and during some of his binges, he excretes right on the floor in his room. There's practically nothing that can be done about it. The Children's Protection Commission is powerless to help in this situation. It isn't possible to exchange apartments (the so-called trades often mean higher rent). Who would move into a communal apartment? People in communal apartments are basically mean and rude all the time. They have no reason to be kind. Their interests are directed toward one thing: improving their material life. Their efforts have practically no results, but still take up all their energy. Living in contact with these people is very hard.

I could have moved to the provinces. Young specialists have tolerable conditions there—they are given separate apartments. But they risk losing the scientific milieu and becoming less qualified, because scientific life is at its best, at its highest standard, only in scientific centers in the large cities.

In general, the communal problems in our country are the grimmest nightmares. It's a constant stress, and you could never get along without taking *valeryanka* regularly.[4]

4. Valeryanka, derived from valerian root, is a commonly used sedative/tranquilizer in the Soviet Union. Our Valium also derives its name from valerian.

Q. What's the way out of this situation? More concretely, what do you personally try to do to compensate for this?

A. Only mysticism. I was drawn to this subject before, but that was just a little taste. Now I couldn't manage without it. For now, I won't dwell in detail on my explorations in this field, because there is still a lot ahead for me. For the time being, I will just formulate it this way: Where is the source of morality? It isn't in society. For us, Soviet intellectuals, the only way to draw spiritual strength is through religion.

Interviewer's Afterword

I have purposely omitted the specific scientific field of our Career Woman, her place of employment, and other details of her life. On the one hand, this is for reasons of secrecy, which are necessary for any activity in our country (even if it is harmless and naive) that does not fit into the narrow framework of the canon of "building socialism and communism." On the other hand, specific details were omitted to allow us to focus on the more typical aspects of her life. The Career Woman works in a certain field, perhaps the natural sciences, and I, too, in my day worked in the social sciences (that was a terrible time) and the picture is similar. What the Career Woman tells us of her life is true for many, many other Soviet women.

Translated by Catherine A. Fitzpatrick

مزید صفحہ ۲۳۲ ، ۲۳۳ پر یوں لکھتی ہیں :

But in the Soviet Union, which has loudly proclaimed itself a socialist government, women get a fist in their faces or a drunkard for a husband or harassment by the KGB instead of the help they need.[5] The more women protest, the greater is the pressure on them to shut up. Whether they be participants in a union movement like our

SMOT,[6] like Valeriya Novodvorskaya and Natalya Lesnichenko, whether they be members of a Helsinki watch group, like Tatyana Velikanova and Tatyana Osipova, whether they be women fighting for religious freedom, like Nadyezhda Brykova and Tatyana Shchipkova, or whether they be members of an unofficial workers' commission fighting the use of psychiatry for political purposes, like Irina Grivnina (the initiator of such a committee) and Natalya Saveleva (the victim of such improper use), or whether they be participants in a drive for national independence, like Raisa Rudenko and Olga Matusevich, the result is the same—repression. These acts of re-

ترجمہ: کیونل زندگی میرے لیے بھیانک خواب یا خوفناک چیز اور دوزخ ہے ایک ذہین انسان

کے لیے اس ماحول میں رہنا کیا ہوگا جبکہ وہاں ایک شخص اونچی آواز میں میوزک پسند کرتا ہو دوسرا ووڈکا شراب پسند کرتا ہو۔ لگاتار شور شرابہ۔ فساد۔ ہنگامہ۔ غل غپاڑہ رہتا ہو۔

ہماری کمیونل منزل میں پانچ کمرے اور پانچ خاندان ہیں۔ ہر خاندان کا اپنا رہن سہن ہے۔ ایک پڑوسی شرابی یعنی عادی شرابی ہے (ALCOHOLIC) ایک خاندان میاں بیوی اور دو بچوں پر مشتمل ہے جو کہ صرف ۲۲ مربع[لہ] میٹر کے کمرہ میں رہتا ہے۔ آپس کی فضا پہلے ہی خراب رہتی ہے اس لیے یہ خاندان بچوں کو کمرے سے باہر نہیں نکلنے دیتا کہ کہیں پڑسیوں کی لڑائی جھگڑے اور بحث وتکرار میں اضافہ نہ ہو جائے۔ جب بعض اوقات میں وہاں سے گذرتی ہوں تو کھلے ہوئے دروازہ سے اندر دیکھتی ہوں تو نظر آتا ہے کہ باپ بچوں کو پیٹ رہا ہوتا ہے۔ باربار مار رہا ہوتا ہے اور انہوں نے رونا بھی چھوڑ دیا ہے۔ وہ صرف عادتاً کتوں کے بچوں کی طرح چیں چیں کی آواز نکالتے ہیں۔ یہ خاندان ایک گھر کے لیے دس سال سے ویٹنگ لسٹ پر ہے۔ مگر اگلے چند سالوں میں ان کو مکان ملنے کی امید کم ہے یہاں کی ناامیدی سب سے ہولناک بات ہے۔

حاشیہ میں وہ لکھتی ہیں کہ یہاں یہ بتانا بہتر ہوگا کہ کمیونل منزل کیسی ہوتی ہے۔ ایک بڑے اپارٹمنٹ میں ۳ سے لے کر ۲۰ کمرے ہوتے ہیں (اوسطاً پانچ یا چھ کمرے ہوتے ہیں) بہت سے خاندان پڑوسیوں کی مانند رہتے ہیں اور ایک برانڈہ۔ ایک باورچی خانہ۔ ایک ٹائلٹ استعمال کرتے ہیں اور اگر غسل خانہ موجود ہو تو وہ بھی سب خاندانوں کے لیے ایک ہی ہوتا ہے۔ اس طریقہ کار پر اعتراضات تو بہت ہوئے مگر دسیوں سالوں میں ہوا کچھ بھی نہیں۔

اس سے بھی بدتر مثال میں اپنے دوستوں کی دے سکتی ہوں جن کے بچے بھی ہیں۔ انکا کمیونل اپارٹمنٹ ۳ خاندانوں پر مشتمل ہے۔ ایک پڑوسی کوئی کام نہیں کرتا اور سارا دن شراب پیتا رہتا ہے۔ صحت خراب ہو چکی ہے۔ جنسی امراض میں مبتلا ہے۔ کبھی موج کی حالت میں وہ کمرے کے فرش پہ ہی رفع حاجت کر ڈالتا ہے۔ اس مشکل کا کوئی حل نہیں ہے ......

پھر اس خاتون سے پوچھا گیا کہ ان مشکلات کا کیا حل ہے۔ تو جواب ملا کہ صرف تصوف

لہ یعنی پونے پانچ میٹر لمبا اور پونے پانچ میٹر چوڑا کمرہ۔

.(MYSTICISM)
ہم سویٹ دانشوروں کے لیے روحانی قوت حاصل کرنے کا طریقہ صرف مذہب ہے۔
(صفحہ ۱۷ تا ۱۹)

(آخرکار سوشلسٹ جنت میں رہنے والی ملازم پیشہ دانشور خواتین اس نام نہاد جنت کو دوزخ قرار دے کر چلا اٹھتی ہیں کہ سکون و عافیت صرف مذہب[1] سے ہی حاصل ہوتا ہے اور یوں سوشلزم اور سیکولرازم دونوں کے خلاف اعلان جنگ کر رہی ہیں اور سوشلزم کو تاریخ کا بدترین جھوٹ اور خوفناک ترین ظلم و ستم قرار دے رہی ہیں)

پھر صفحہ ۱۹ کے آخری پیراگراف میں فرماتی ہیں کہ:

میں نے جان بوجھ کر سائنٹیفک فیلڈ کی خواتین اوران کی ملازمت کی جگہ اوران کی زندگی دیگر تفصیلات کو چھوڑ دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو SECRECY یعنی سرکاری رازوں کو قائم رکھنا ہے جو ہمارے ملک میں ہر کام کے لیے ضروری ہے چاہے وہ عام بات کا ذکر کیوں نہ ہوں اور جوکہ سوشلزم کمیونزم کی تعمیر میں فٹ نہ کرتی ہو۔ پھر خاص تفصیلات بیان نہیں کیں تاکہ دیگر معاملات پر روشنی ڈالی جا سکے۔ کیریر خاتون خاص فیلڈ میں کام کرتی ہے شاید قدرتی سائنس میں۔ خود میں بھی اپنے زمانے میں سوشل سائنسز میں کام کرتی رہی ہوں (جوکہ ایک خوفناک وقت تھا) جوکہ اس کیریر وومن نے اپنی زندگی کے متعلق بتایا ہے وہ بہت کچھ بہت سی سویٹ خواتین کے متعلق بھی درست تھے۔

(مترجم CATHERINE A. FITZPATRICK)

مزدور عورت کی حالت زار اور برابری کا ڈھونگ

اس کتاب میں ایک مضمون VALENTINA کا تصنیف کردہ شائع ہوا ہے جس کا

---

[1] اس کتاب کے صفحہ ۲۴۰ کے آخر میں لکھا ہے کہ اعداد و شمار کے مطابق چرچ جانے والوں میں ۷۵ فیصد عورتیں ہوتی ہیں۔

عنوان ووممن ورکر ہے :
مصنفہ لکھتی ہیں کہ میں ریلوے سٹیشن کے پوسٹل دیپارٹمنٹ میں کام کرتی ہوں اور یوں مجھے سفر کا موقع مل جاتا ہے ورنہ روس میں سفر تقریباً ناممکن ہے کیونکہ اخراجات اور پھر ہوٹل کا خرچہ بہت ہوتا ہے ۔ مزید یہ کہ سفر عورت کے لیے اور بھی خطرناک ہوتا ہے کیونکہ اسے زیادتی کا بھی خطرہ رہتا ہے ۔ خواتین سے (RAPE) زیادتی ہمارے ملک میں وسیع پیمانے پر کی جاتی ہے :....

بہت عرصہ نہیں ہوا کہ ہمیں پارسل ڈویژن میں لگا دیا گیا ۔ یہ اسوقت کی بات ہے جبکہ حکومت نے تمام لوگوں کو کام کرنے کے لیے بلا لیا تھا ۔ ہم روزانہ بارہ گھنٹے کام کرتے تھے ۔ ان ۱۲ میں سے ۱۰ گھنٹے ہم سامان اتارنے اور ریڑھوں میں بھر کر آگے لیجانے کا کام کرتے تھے ۔ یہ کام درحقیقت ایک قلی کا کام کرنے کے مترادف تھا ۔ دن اور رات کی شفٹوں میں ہمیں کھانا کھانے کے لیے صرف آدھا گھنٹہ دیا جاتا تھا بعض دفعہ ہماری ٹیم اتنا کام ختم نہ کر سکتی تھی جو ہم کو الاٹ کیا جاتا تھا حالانکہ ہم معمول سے زیادہ محنت سے کام کرتے تھے ۔ ایسی صورت میں ہم میں سے بعض کو چند مزید گھنٹے کام کرنے کے لیے ٹھہرنا پڑتا تھا ۔

عجیب حیران کن بات یہ ہے کہ اس ناقابل یقین سخت محنت کے کام پر صرف عورتوں کو لگایا جاتا تھا ۔ ہمارے ڈویژن میں صرف ایک مرد کام کرتا تھا جو کہ ٹیم لیڈر تھا ۔ باقی مرد کم ہی شکل دکھاتے سوائے اس کے کہ جب ان کا دل اورٹائم کام کرنے کو چاہتا ہو ۔ عورتوں سے کبھی پوچھا جاتا تھا کہ کیا تم لوگ اورٹائم کام کرنا چاہتی ہو اورٹائم کام کو ان کا محض فرض سمجھا جاتا تھا ۔

ایسی ہی پوزیشن ہماری کنسٹرکشن سائٹ میں پائی جاتی ہے ۔

اگر ہم یہ بھی کہہ ڈالیں کہ ہمارے ملک میں پرولتاری طبقہ اب استحصال شدہ طبقہ نہیں ہے ۔ لیکن عورتوں کا تو اب دوگنا استحصال کیا جا رہا ہے ۔ یہ بُرائی قانون میں موجود نہیں ہے بلکہ حقیقی طور پر پائی جاتی ہے ۔ قانون کے مطابق عورتوں کے لیے ۲۰ کلو سے زیادہ سامان اٹھانا نہیں ہے ۔ لیکن اگر ایک پیکیٹ کا وزن اس سے زیادہ نہیں ہے تو فرض کر لیا جاتا ہے کہ وہ اس وزن کو باربار لاتعداد مرتبہ اٹھا سکتی ہے ۔ اب ہمارے پوسٹ آفس میں عام کوٹہ یہ ہے ہر شخص ۳۰۰ پیکیٹ روزانہ اٹھائے گا (چھٹیوں کے دنوں میں یہ کوٹہ ۵۰۰ پیکیٹ کر دیا جاتا ہے ہر پیکیٹ

، سے ۱۰ کلوگرام ہو تو گویا عورت کو کل ۲۰۰۰ کلوگرام ایک شفٹ میں اٹھانا پڑے گا اور چھٹیوں میں ۴ سے ۵ ٹن۔

یوں پہلی مئی[1] یعنی لیبر ڈے یا ۷ نومبر جو سویٹ یونین کی سال گرہ ہوتی ہے عورتیں وزن اٹھانے کا ریکارڈ توڑتی ہیں۔

لیکن ان کو وہ تعریف نہیں سنائی دیتی جیسی کہ مرد وزن اٹھانے والوں کی تعریف ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ خاتون ورکر کو بڑے فاصلے طے کرنے ہوتے ہیں کیونکہ ریلوے سٹیشن بڑے لمبے ہوتے ہیں۔

..... اس طرح ایک عورت کو یہ پیکیٹ کل دو تا تین کلومیٹر فاصلے تک اٹھا کرلے جانے ہوتے ہیں جبکہ یہ ٹوٹل فاصلہ چھٹیوں کے دنوں میں ۵ کلومیٹر بن جاتا ہے۔ پھر جب آپ ریڑھیوں کو اِدھر اُدھر کھینچنے کی محنت کو بھی شامل کرلیں تو کام بہت ہی بڑا ظلم و جبر بن جاتا ہے۔ اگر ہر پیکیٹ کا وزن تقریباً ۱۰ کلوگرام ہو تو پھر ہر مزدور عورت کو ۳۵۰۰ سے ۱۰۰۰۰ کلوگرام وزن کھینچنا پڑتا ہے۔ جب عورت اس ریڑھی کو کھینچ کرلے جارہی ہوتی ہے تو اس کو اس بات کو بھی مدنظر رکھنا پڑتا ہے کہ اس دوران دوسری عورتوں کے کام میں رکاوٹ نہ ہو۔ پھر جب ریڑھی کے پہیے جام ہو جاتے ہیں تو مزدور عورت کو اور بھی مشکل پڑتی ہے۔ یہ کام انقلاب کے قبل دور کے نمک یا کوئلے کی کانوں میں کام کرنے سے مختلف نہیں ہے۔ پس عورتوں کو اس دوران پیٹ کے نچلے حصہ میں درد اور کمر توڑ کام کا غم لازمی ہوتا ہے۔

دن کی شفٹ کی طرح عورتیں رات کی شفٹ میں بھی لگاتار ۱۲ گھنٹے کام کرتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اس بات کو بالکل بھول گئی ہے کہ خواتین کی جسمانی ساخت ان حالات میں کام کرنا نقصان دہ قرار دیتی ہے اور اس کے نقصانات بعض اوقات ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے شفایابی نہیں ہوتی۔ یہ اس دور کے لیے خاص طور سے حقیقی ہوتا ہے جبکہ عورت حاملہ ہو یا ایام سے ہو۔

---

[1] ہمارے ملک میں تو پہلی مئی کو چھٹی کردی جاتی ہے۔ ہمارے خیال میں پاکستان میں یوم خندق کی چھٹی ہونی چاہیے جب حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے عوام سے مل کر خندق کھودی تھی۔

سوویٹ یونین میں یہ بات طے ہے کہ عورتیں ریل کی پٹڑیوں۔ سڑک بنانے کے کام یا ورکنسٹرکشن کے کاموں میں کام کریں گی اور صفائی کا کام بھی عورتیں کریں گی درحقیقت مرد مسافر گاڑیوں۔ یا لگاتار میزوں کو صاف کرنے یا شرابیوں کی جگہ صاف کرنے۔ ٹائلٹ صاف کرنے کے کام کو پسند نہیں کرتے۔ لیکن عورتوں کے دماغوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ یہ خواتین کا کام ہے۔ پس اس پہ حیران نہیں ہونا چاہیے کہ کچھ عورتیں اس کام کو چھوڑ کر قحبہ گری کے کام کو اپنا لیتی ہیں۔ یہ چیز ہمارے ریلوے سٹیشنوں پہ خوب چلتی ہے۔ اگرچہ یہ کام بھی ذلالت کا کام ہوتا ہے مگر یوں عورتوں کو کچھ آزادی اور کچھ پسند کا موقع مل جاتا ہے۔

بے شک قحبہ گری عورتوں کے لیے تباہ کن ہے میں اس کا دفاع نہیں کرنا چاہتی۔ میں صرف اس کا پس منظر بیان کرنا چاہتی ہوں۔ وہ گھریلو استحصال سے بھاگ[1] کر صنعتی استحصال میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ پھر وہ اس پہلے اور دوسرے استحصال سے فرار ہو کر جنسی استحصال میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ لیکن عجیب بات ہے کہ قحبہ گری اب عورتوں کی آزادی کو بیان کرنے کا ایک نرم طریقہ بن چکا ہے۔ یہ آزادی ایسی ہے سوسائٹی جس کو برا جانتی ہے۔ ہمارے ملک میں جو عورت ذرا سی بھی جنسی آزادی دکھاتی ہے رنڈی یا اس سے بھی برے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔

یہ سوسائٹی ہرگز وہ سوسائٹی نہیں جس کا خواب لوگوں نے سوشلسٹ سوسائٹی کے طور پر دیکھا تھا۔ انقلاب پسندوں کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا۔ کیونکہ ان میں بہت سی عظیم عورتیں بھی شامل تھیں مثلاً صوفیا ویرا۔ لارلیا وغیرہ نے توانپی جانیں سوشلسٹ آئیڈیلز کی وجہ سے دی تھیں۔

آج عورتوں کے لیے شکایت کرنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہا ہے کیونکہ عورتوں کا شعبہ ختم کیا جا چکا ہے[2] کیونکہ اسے غیر ضروری قرار دے دیا گیا۔ یہ بات اب واضح تر ہوتی جا رہی ہے

---

[1] یاد رہے کہ روس وامریکہ میں عورتوں کی مارپیٹ بہت عام ہے روسی عورتوں کا ایک قول نے نقل کیا ہے کہ ایک روسی بیوی کہتی ہے کہ میرا خاوند مجھ سے اب محبت نہیں کرتا کیونکہ وہ مجھے مارتا نہیں۔

[2] اس کا اشارہ ZHENOTDEL کی طرف ہے جو عورتوں کا سیکشن ۱۹۱۹ء میں بالشویکوں نے الیگزینڈرا کولنٹائی و دیگر خواتین کے کہنے پر بنایا تھا تاکہ عورتوں کی خاص ضروریات پر اس میں بحث کی جا سکے۔ لیکن ۱۹۳۰ء اس کو ختم کر دیا گیا جیسا یہودی سیکشن کو ختم کر دیا گیا۔

کہ برابری کا مطلب محض عورتوں کو بھاری مشقت کا حق دینا ہے ۔ گذشتہ دور میں عورت کا مقام صرف گھر ہوتا تھا ۔ لیکن ہمارے دور میں عورتوں کو گھروں کے بوجھ سے تو چھٹکارا نہیں ملا بلکہ اس کے ساتھ معاشرہ کی خدمت کرنے کا اس سے بھاری بوجھ بھی عورت پر لاد دیا گیا ہے ۔ اوپر بیان کردہ پوزیشن صرف شہروں میں ہی حقیقت نہیں ہے بلکہ دیہات میں بھی ایسا ہی حال ہے ۔ اجتماعی اور حکومتی فارموں میں عورتیں سخت ترین تھکا دینے والی مشقت کے کام کرتی ہیں جبکہ مرد بطور منتظم ۔ ماہرین اکاؤنٹنٹ یا بطور منیجر کام کرتے ہیں یا زیادہ تنخواہ پانے والے ٹریکٹر ڈرائیوروں یا کمباین ڈرائیوروں کے طور پر کام کرتے ہیں ۔ دوسرے الفاظ میں مرد زیادہ دلچسپ اور زیادہ تنخواہ والے کام کرتے ہیں جن سے ان کی صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ۔

خواتین کا تکنیکی کاموں میں بہت محدود عمل دخل ہے ۔ اس معاملہ میں لوگوں کا یہ خیال کام کرنے لگتا ہے کہ عورتیں ریاضی اور تکنیکی علوم میں مہارت حاصل نہیں کر سکتیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ منتظمین نے کبھی صوفیا یا مادام کیوری کا نام نہیں سنا ۔ حالانکہ اور بھی عورتیں تکنیکی میدان میں ہزاروں کی تعداد میں کام کر رہی ہیں ۔

سرکاری طور پر حکومت عورتوں کی صحت کے متعلق تشویش ظاہر کرتی ہے اور ایسے اعداد و شمار شائع کرتی ہے جن سے کہ یہ ثابت کیا جا سکے حکومت بڑی کوشش کر رہی ہے لیکن عملی زندگی میں مختلف صورتِ حال آپ کو چکرا دیتی ہے لے آپ محسوس ہوتا ہے کہ عورت کے جسم کے فنکشن مکمل طور پر بھلائے جا چکے ہیں ۔ ایسے فنکشن جن کے نہ ہونے سے سوسائٹی کا پہیہ بالکل جام ہو کر رہ جائے گا ۔ حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کو اس کا علم اور موقع فراہم کیا جائے ۔ ان کے لیے وہی سٹینڈرڈ قائم کئے جائیں جو مردوں پر لاگو کئے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ مردوں اور عورتوں بائیلاجیکل تفریق کا بھی لحاظ رکھا جائے ۔ برابری صرف یہ نہیں کہ عورتوں کو بھاوڑے سے کھاد اٹھا اٹھا کر ڈالنے کا حق دے دیا جائے ۔ اب فوٹوسٹیٹ ملاحظہ فرمائیے :

لے امریکہ و انگلینڈ میں عورتوں کی حالت اگرچہ روس سے بہت بہتر ہے ۔ مگر پھر بھی قابل اعتراض ۔ اس کے لیے دیکھئے HAZARDS OF WOMEN

I work at the train station in the mail transport department. I am taking courses to become a railroad conductor. Working as a train conductor is one of the better ways to travel around the Soviet Union. Otherwise, travel is almost impossible since travel passes are expensive, "camping out" is hard, and hotel rooms are at a premium. It is also dangerous, especially for women, who risk being raped; rape is very widespread in our country. Young people, students, and just plain adventure-seekers often take jobs as conductors on trains that are traveling to faraway places. But most often it is middle-aged women who hold these jobs, for practical rather than romantic reasons. For me, too, it turned out not to be romantic after all.

Not long ago, we were assigned to the parcel division to help catch up with the goals of the plan. It was one of those times when they called on everyone to work. We worked twelve hours a day. Ten of those hours, and sometimes more, we spent unloading and transporting carts laden with packages. It was virtually the same job as a freight loader. We were only given thirty minutes to eat during both day and night shifts. Sometimes our team would not meet its quota in the time allotted to us, even when we worked harder than usual, and someone would have to stay and work a few extra hours.

What is surprising and disturbing is that only women work this unbelievably labor-intensive job. Among four teams working in the package division, there was only one man—the team leader. The rest of the men would rarely put in an appearance, and then only when they felt like working overtime. Women were never asked if they wanted to work overtime: the extra hours were simply considered their duty.

A similar situation exists on our construction sites—a clear example of the exploitation of women. Even if the proletariat in our country is no longer an exploited class, women are now exploited twice as much. This abuse is not reflected in the laws, but it exists in reality. By law, women are not supposed to lift weights over twenty kilograms (forty-four pounds). But if the weight of the packages does not exceed this weight, it is assumed that a woman can lift this same weight over and over again, countless numbers of times. Here in our post office, the norm or quota is three hundred packages per person per day (during a holiday season the quota is as high as five hundred per day). Each package weighs from seven to ten kilograms.

Thus, all together, a woman must lift more than two thousand kilograms (forty-four hundred pounds) in one shift and during "holidays" four to five tons. Thus, on the First of May (Labor Day) or the Seventh of November (the anniversary of the Soviet Union)—the days marking our great socialist revolution—a woman will break weight-lifting records. But she does not hear the applause that rewards the male weight lifter.

In addition to this, the woman worker must walk great distances, since the train station is very large. Assume that the mail cart is placed in the middle of the room and the packages are lifted and carried to various places. During an average day, each woman must carry packages a total of two to three kilometers, and five kilometers on "holidays." When you take into consideration the additional effort to pull the carts around, working conditions seem entirely oppressive. If each package weighs about ten kilograms, the worker must move from 350 to 1,000 kilograms. One woman pushes this load, straining herself to avoid bothering her busy coworkers. And women must struggle even more when the cart wheels are

country, women from any level of society who demonstrate even the least sexual independence are called prostitutes or worse.

This kind of society could hardly have been what people had in mind when they dreamed of a socialist society. Revolutionaries could hardly have meant this, for there were many great women among them. Sophia Perovskaya, Vera Figner, and Larisa Reissner (poet and commissar) gave up their lives for socialist ideals.

Today a woman has no outlet for complaints because women's sections[1] have been abolished as "unnecessary." It is becoming increasingly clear that the current equality means only giving women the right to perform heavy labor. In the past, heavy work was confined to the home, but in our day the woman, still not freed from the incredible burden of the family, strains herself even harder in the service of society. The situation described above is true not only in large cities but

1. This reference is to the Zhenotdel, or Woman's Section, established in 1919 by the Bolsheviks at the insistence of Alexandra Kollontai and others, concerned about addressing the specific needs of women. It was abolished in 1930, as was the Jewish section.

also in villages. On collective and state farms, women do the hardest and most exhausting work while the men are employed as administrators, agronomists, accountants, warehouse managers, or high-paid tractor and combine drivers. In other words, men do the work that is more interesting and more profitable, and does not damage their health.

Women have limited access to the technical fields; they are rarely accepted in schools of technology. In this area, the prevailing stereotype of women as people incapable of mastering mathematics and technology comes into play. It is as if administrators had never heard of the outstanding mathematician Sophia Kovalevskaya or the famous scientist Marie Curie, not to mention the thousands of other women who work effectively in technological fields. Officially the state expresses concern for women's health, and statistics designed to prove the many efforts of the state are staggering—but in real life, something quite different staggers you. You sense that the functions of a woman's body have been completely forgotten—functions without which the life of society would simply come to a halt. True equality consists of giving women the necessary knowledge and opportunity to meet the same standards applied to men, and of making allowances for biological differences between the sexes. Equality is not simply giving women the right to shovel manure.

Translated by Catherine A. Fitzpatrick

روزنامہ جنگ (۱۷) ۲۹ اگست ۱۹۸۰ء

محنت

پولینڈ میں مزدوروں کی ہڑتال سے سوشلزم کا کھوکھلا پن ثابت ہوگیا

ہم پولینڈ کے محنت کشوں کی حمایت کرتے ہیں نیشنل فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز کا احتجاج

کراچی ۲۸ اگست (جنگ نیوز)۔ پولینڈ میں محنت کشوں کی بڑے پیمانے پر ہڑتال سے سوشلزم کا کھوکھلا پن ثابت ہوگیا ہے یہ بات یہاں پاکستان نیشنل فیڈریشن آف ٹریڈ یونینز کے صدر محمد شریف نے کہی انہوں نے کہا کہ سوشلزم کے علمبردار خصوصی طور پر ترقی پذیر ممالک میں یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے ہیں کہ سوشلزم وہ واحد معاشی اور سیاسی نظام ہے جو ہر قسم کے استحصال سے پاک ہے اس نظام کے تحت ہر شہری کو یکساں حقوق اور ترقی کے مواقع ملتے ہیں انہوں نے کہا کہ اگر یہ دعویٰ درست ہوتا تو پولینڈ کے ہزاروں محنت کش فاتر العقل نہیں ہیں کہ وہ ہڑتال کرتے اور حکومت کے معتوب ٹھہرتے انہوں نے کہا کہ ہم پولینڈ کے محنت کشوں کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی ہم پولینڈ اور سوشلسٹ ممالک کو متنبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنی پالیسیاں محنت کشوں کے موافق بنائیں علاوہ ازیں انٹرنیشنل کنفیڈریشن آف فری ٹریڈ یونینز (آئی سی ایف ٹی یو) نے پولینڈ کے محنت کشوں کی جدوجہد کی حمایت کی ہے ایک بیان میں کنفیڈریشن کے رہنماؤں نے کہا کہ ہم پولینڈ کے بہادر محنت کشوں کی جدوجہد کی حمایت کرتے ہیں جو وہ بہتر رہائش اور کام کی بہتری، خصوصاً قوت خریداری کی بحالی تنخواہ کے معقول اور آزادانہ ٹریڈ یونینز سرگرمیوں کی بحالی کے لئے کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ یہ اقدام ہم انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن کے کنونشن کے مطابق کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ جولائی ۱۹۷۸ء میں آئی سی ایف ٹی یو نے آئی ایل او سے پولینڈ کی حکومت کے خلاف شکایت کی تھی انہوں نے امید ظاہر کی کہ پولینڈ کی حکومت اپنے محنت کشوں کو تمام جمہوری حقوق فراہم کر دے گی۔

مسٹر گریک نے اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ کسی کو پولینڈ کا مارکسی نظام بدلنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اور ان کا یہ انتباہ اس لئے بے جا بھی نہیں کہ ہڑتالیوں نے اب گارجین کے الفاظ میں ۱۶ مطالبات کی جگہ ۲۵ مطالبات پیش کر دیے ہیں۔ جن میں کمیونسٹ قائدین کو ملنے والی بے جا مراعات کے خاتمے سے لیکر ملک میں مارکسی طرز حکومت کی منسوخی تک کا مطالبہ شامل ہے۔ ادھر ڈیلی ٹیلی گراف کے نگل وڈینے اپنے مراسلہ میں کہا ہے کہ روس کو اس ہڑتال سے بڑی پریشانی ہے۔ اس لئے کہ وہ فی الوقت ماضی کی طرح پولینڈ میں فوجی قوت کا استعمال نہیں کرنا چاہتا۔ (حالانکہ یہ نگل وڈینے کی خام خیالی ہے)۔ البتہ وہ روپیہ پیسہ پولش قائدین کی مدد کے لئے تیار ہے۔ ادھر گارجین کی ہیلیریک کے الفاظ میں پولینڈ کے کمیونسٹ قائد، وزیراعظم اور صدر تینوں اپنی تقریروں میں روس کی فوجی مداخلت کی دھمکی دے چکے ہیں اور پولش عوام سے کہہ چکے ہیں کہ وہ روسی غم و غصہ کو دعوت نہ دیں لیکن اس بار یہ دھمکی بھی بظاہر بے اثر ہی ثابت ہو رہی ہے۔ اور گارجین کے ڈیوڈ ٹیسر نے تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ

ہے کہ وہ فی الحال ان کے خلاف طاقت کے استعمال کا ارادہ نہیں رکھتی۔ البتہ حکومت کے مخالفین بے حد خوش ہیں۔ اور پاپائے روم جو خود بھی پولش ہیں کیسے ان حالات سے غافل رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ٹیلی گراف کے نمائندے نے بتایا ہے کہ وہ ان واقعات کا تفصیلی جائزہ لے رہے ہیں۔ اور ہم تو اس بارے میں گذشتہ کئی ہفتوں سے برابر تذکرہ کرتے چلے آرہے ہیں۔

پولینڈ

ایک طویل عرصے کے بعد ایک کمیونسٹ ملک پولینڈ پھر مزدوروں کی ہڑتال اور جبر و تنگ کا شکار رہا ہے۔ حالانکہ مزدوروں کے غیظ و غضب سے مارکسی اور غیر مارکسی ممالک ماضی میں یکساں طور پر متاثر ہوتے رہے ہیں اور یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ مزدوروں کا بنیادی مسئلہ ملازمت کا تحفظ اور مراعات کا حصول ہے۔ خواہ وہ حتمالی یا مارکسی قوتیں ہوں یا سرمایہ دار ممالک کے اجارہ دار ہوں۔ لیکن پولینڈ میں تو مزدوروں نے کمیونسٹ قوت کو بار بار اور ہمہ گیر چیلنج دے رکھا ہے اور پولش لیڈر مسٹر گریک کی دھمکی آمیز اپیل کے باوجود ہڑتال ختم کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ یہ اطلاع نیویارک ٹائمز کے جان ڈارنٹن نے دی ہے جس نے ہڑتالی مزدوروں کی رابطہ کمیٹی کے حوالے سے بتایا ہے کہ اب تک ملک کی ایک سو سے زائد فیکٹریوں میں مکمل ہڑتال ہو چکی ہے اور ہڑتالی مزدوروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہاں تک خبر گرم ہے کہ جو اختیارات مزدوروں کو رام کرنے کے لئے کی گئی ہے۔ ۱

رومانیہ میں سوشلسٹ حکمران کا عبرت ناک انجام

نوائے وقت مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۸۹ء سے پتہ چلتا ہے کہ رومانیہ کے انقلاب میں لاکھ کے قریب ہلاک ہوئے۔ اسی تاریخ کے جنگ نے لکھا ہے کہ ۶۰ ہزار ہلاک ہو چکے ہیں اور چاؤ شسکو کو اس کی بیوی سمیت گولی سے اڑا دیا گیا قتل عام کا حکم اس کی بیوی نے دیا تھا۔ جنگ نے لکھا ہے کہ چاؤ شسکو ۲۴ سال تک بلا شرکت غیر حکمران رہا۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

فاعتبروا یا ولی الابصار۔

نوائے وقت لاہور

مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۸۹ء

پولینڈ۔ یوگوسلاویہ پھر رومانیہ میں سوشلزم ختم

بخارسٹ ۱۹ دسمبر (مانیٹرنگ ڈیسک 'اپ ا') مشرقی یورپ کے ایک اور ملک رومانیہ میں بھی جمہوریت اور آزادی کیلئے عوامی تحریک کا بڑے پیمانے پر آغاز ہونے کے بعد ایک بڑے شہر میں عوام اور فوج کے درمیان خونریز جھڑپوں میں ہزاروں افراد ہلاک اور زخمی ہو گئے تین یونیورسٹیوں والے تیمسوارا نامی شہر میں فوج نے مظاہرین پر گولیاں برسانے کے ساتھ ٹینک بھی چڑھا دیئے خبر رساں ایجنسیوں کے مطابق عوام کے خلاف بڑی فوجی کارروائی کے دوران کم از کم ایک ہزار افراد مارے گئے اور سینکڑوں زخمی ہوئے جولائی میں چین کے دارالحکومت بیجنگ میں بھی جمہوریت کے حق میں مظاہرے کرنے والوں پر ٹینک چڑھا دیئے گئے تھے۔ مشرقی یورپ میں پولینڈ کے بعد رومانیہ دوسرا بڑا ملک ہے جہاں عوام کو کچلنے کیلئے بڑے پیمانے پر فوجی کارروائی کی گئی ہے۔ فوج نے بدستور تیمسوارا شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ وائس آف امریکہ کے مطابق تیمسوارا نامی شہر میں فوج اور مظاہرین میں جھڑپیں رومانیہ کے صدر چاؤشسکو کی ایران کے دورہ پر روانگی کے وقت شروع ہوئیں۔ فوج نے شہر کی ناکہ بندی کرنے کے بعد اپنی کارروائی کا آغاز کیا تاکہ باہر سے کوئی مداخلت نہ ہو سکے جمہوریت کے حق میں مظاہرہ کرنے والوں پر اندھا دھند گولیاں

باقی صفحہ ۵ کالم ۲ پر

بقیہ:۔	رومانیہ	سے ہزاروں ۔۔۔ گئے

برسانے کے ساتھ ٹینک بھی چڑھا دیئے گئے ملٹری ایکشن کے نتیجہ میں تمام ہسپتال لاشوں اور زخمیوں سے بھر گئے۔ وائس آف امریکہ نے مزید بتایا کہ شہر کی مکمل ناکہ بندی جاری ہے اور دوسرے علاقوں سے کسی کو شہر میں آنے کی اجازت نہیں شہر کی تمام سڑکوں پر خون ہی خون بکھرا ہوا ہے۔ رات کی تاریکی میں شہر سے بھاگ کر آنے والے عینی شاہدوں کا کہنا ہے کہ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے لوگوں پر قیامت ٹوٹتے دیکھی شہریوں نے اس بلائے ناگہانی پر مشتعل ہو کر سینکڑوں مکانوں اور سرکاری املاک کو نذر آتش کر دیا ابھی تک رومانیہ کے سرکاری حکام نے اس المیہ کے بارے میں ایک لفظ نہیں کہا اور نہ ہی ان اطلاعات کی کسی قسم کی تردید کرنے کی کوشش کی ہے۔ مشرقی یورپ میں ان دنوں جمہوریت اور آزادیوں کے حق میں جو تحریکیں چل رہی ہیں رومانیہ ابھی تک ان سے بچا ہوا تھا یہاں بھی عوام کمیونسٹ حکومت کے خاتمہ کا مطالبہ کرنے لگے ہیں۔ فوج اور عوام کے درمیان جھڑپوں میں گاڑیاں اور دکانیں بھی جلائیں گئیں مظاہرین پر فوج کی فائرنگ سے کم از کم ایک ہزار افراد ہلاک اور دو سو زخمی ہوئے کانی طلبا نے بھی اس کی تصدیق کی ہے کہ فوج نے تیمسوارا شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے اور شہر میں ٹینک گشت کر رہے ہیں اس شہر میں زیادہ تر جرمن یا ہنگری نژاد افراد آباد ہیں۔

بی بی سی کے مطابق رومانیہ کی سرحدیں عملاً بند کر دی گئی ہیں اور تینوں شہروں تیمسوارا، موسیہ اور فاراب میں تمام ٹیلی فون کنکشن کاٹ دیئے گئے ہیں اور تینوں شہروں میں بکتر بند گاڑیاں اور ٹینک تعینات کر دیئے گئے ہیں۔ فسادات تیمسوارا کے بعد ان دونوں شہروں میں پھیل گئے تھے۔ بیرونی ممالک کے شہریوں کو رومانیہ میں داخل ہونے سے روکا جا رہا ہے اور آج بلغاریہ سے مسافروں کو لے کر رومانیہ پہنچنے والی ٹرین کے تمام مسافروں کو مال گاڑیوں کے ذریعے سرحد سے ہی واپس بھیج دیا گیا اور کسی کو بھی رومانیہ میں داخل نہیں ہونے دیا گیا۔ یوگوسلاویہ کے ایک ٹرک ڈرائیور نے بلغراد پہنچنے کے بعد بتایا ہے کہ اس نے تیمسوارا میں خونریز جھڑپوں کے بعد جگہ جگہ لاشوں کے انبار دیکھے اور شہر میں فوج اور پولیس گھر گھر تلاشی لے رہی ہے۔ اس نے شہر کے دو جانب آگ کے بڑے الاؤ جلتے ہوئے دیکھے ہیں تاہم یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آگ کے یہ الاؤ کیوں روشن کئے گئے ہیں۔ غیر ملکی سفارت کاروں کا کہنا ہے کہ ابھی تک صورت حال واضح نہیں خدشہ ہے کہ ہزاروں افراد لقمہ اجل ہو گئے ہیں۔ اس قسم کے واقعات کی اس سے پہلے کوئی نظیر نہیں ملتی۔ رومانیہ سے یورپی ملکوں میں پہنچنے والے افراد نے کہا ہے کہ دیگر کئی شہروں سے بھی فسادات کی اطلاعات ملی ہیں تاہم حکومت نے مکمل طور پر سنسر عائد کر رکھا ہے اور کسی قسم کی خبر رومانیہ کی سرحدوں سے باہر نکلنے نہیں دی جا رہی۔ بیرونی دنیا سے ٹیلی فون رابطے اور دیگر تمام راستے بند کر دیئے گئے ہیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اب تک ہزاروں افراد کو جمہوریت کے حق میں تحریک چلانے کے الزام میں گرفتار بھی کیا جا چکا ہے۔

فرانسیسی خبر رساں ایجنسی کے مطابق رومانیہ کے دارالحکومت بخارسٹ میں بھی صورت حال خراب ہو گئی ہے۔ برطانوی سکولوں کے بچوں نے اپنا تفریحی دورہ ترک کر کے لندن واپسی پر بتایا کہ انہیں کہا گیا کہ بخارسٹ میں نقل و حرکت "خطرناک" ہو چکی ہے۔ ۴۸ بچوں کا یہ گروپ ایک ہفتے کے دورہ پر بخارسٹ آیا تھا تو اسے ہوائی اڈے پر ہی بتا دیا گیا کہ شہر کی سڑکوں پر مسلح پولیس اور فوج کے علاوہ ٹینک بھی موجود ہیں۔ برطانوی سفارت خانہ کی جانب سے بھی گروپ کو واپس لندن جانے کا مشورہ دیا گیا۔

نوائے وقت لاہور
مورخہ ۲۰ دسمبر 1989

فقہ حنفی کی شہرۂ آفاق کتاب

بدائع الصنائع

فی ترتیب الشرائع

تالیف: علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی المتوفی ۵۸۷ھ

جلد ہفتم

مترجم

پروفیسر خان محمد چاولہ

وکلاء قضاۃ اور قانون سے متعلق حضرات کے لیے ایک ناگزیر ضرورت نفاذِ شریعت کے عمل میں ممد و معاون۔ اسلامی مدارس اور فقہ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ایک اہم کتاب۔

- دیدہ زیب پنج رنگہ ڈسٹ کور، عمدہ ڈائی دار جلد
- بہترین آفسٹ طباعت، ضخامت: ۹۰۰ صفحات

قیمت: صرف ۲۲۰ روپے ـ دس کتب سے زیادہ منگوانے پر کمیشن ۵۰٪

- جلد پنجم، ششم (زیر طبع)